مجالسِ خطیب الامت

جلد دوم

افادات

خطیب الامت حضرت مولانا ابرار احمد صاحب دھلیوی
نور اللہ مرقدہٗ

مرتّب

مولانا عبد السلام ابراھیم مارویا، لاجپوری

(حال مقیم، لندن)

ناشر

مکتبہ سلیمانیہ، اجمیری محلّہ، لاجپور، سورت

کتاب کا نام	:	مجالس خطیب الامت، جلد دوم
مرتب کا نام	:	مولانا عبدالسلام ابراہیم مارویا، لاجپوری (حال، مقیم، لندن)
افادات	:	حضرت مولانا ابرار احمد صاحب دھلیوی نوراللہ مرقدہٗ
ناشر	:	مکتبہ سلیمانیہ، اجمیری محلّہ، لاجپور، سورت
مطبع	:	سُپر تاج، سورت
ایڈیشن	:	پہلا ایڈیشن
سن طباعت	:	۱۴۳۳ھ مطابق ۲۰۱۲ء
صفحات	:	۲۵۵
تعداد	:	۵۵۰

ملنے کے پتے

(۱) مکتبہ سلیمانیہ، اجمیری محلّہ، لاجپور، سورت۔

(۲) مدرسہ اسلامیہ صوفی باغ، سورت۔

(۳)
A.SALAM MARVIA
23 FLAT B SPRING FIELD GARDENS
LONDON E5 9ER.
PH: 02088061051

فہرست

مجلس نمبر ۱۱

نفس، روح اور قلب کی حقیقت

مجلس نمبر ۱۲

فلسفۂ حج

مجلس نمبر ۱۳

ہر چیز کا اخیری زمانہ بڑا قیمتی ہوتا ہے

مجلس نمبر ۱۴

دین اسلام میں بڑی رعایتیں ہیں

مجلس نمبر ۱۵

روحانی بیماریوں میں حب جاہ سب سے خطرناک بیماری ہے

مجلس نمبر ۱۶

موت انسانوں کا کھیل بناتی بھی ہے اور بگاڑتی بھی ہے

مجلس نمبر ۱۷

رمضان المبارک ایک معیار ہے وہ جس شان کے ساتھ گذرے گا سال بھر اسکے اثرات ہوں گے

مجلس نمبر ۱۸

ولایت کی دو بنیادیں ہیں، ایمان اور تقوی

مجلس نمبر ۱۹

قرآن کریم میں اللہ تعالی کی معیت کا جو ذکر ہے اس کا حقیقی مصداق کیا ہے اللہ تعالی ہی جانتے ہیں

مجلس نمبر ۲۰

شریعت محمدی ﷺ کا ہر عمل اپنے اندر ایک خصوصیت رکھتا ہے

مجلس نمبر ۲۱

امت محمدیہ ﷺ کے ساتھ حق تعالی کا معاملہ رحم وکرم کا ہے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انتساب

میں اپنی اس حقیر سی کاوش کو اپنے اساتذہ نیز اپنے والدین ماجدین کے نام منسوب کرنا باعث سعادت سمجھتا ہوں جن کی آغوش تربیت میں اس ناکارہ نے پرورش پائی ،اور جن کی دعاؤں کے نتیجہ میں اللہ تعالی نے دینی خدمت میں لگنے کی سعادت بخشی،اور جن کا سایہ عاطفت (میری والدہ) میرے لئے قیمتی سرمایہ ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تقریظ

حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب بستوی دامت برکاتہم العالیہ

استاذ تفسیر دارالعلوم دیو بند

زمیں کھا گئی آسماں کیسے کیسے

اہل اللہ اور علماء ربانین کی با برکت صحبت، ان کے ملفوظات، مکتوبات، اور مجالس کے نورانی بیانات امتِ مسلمہ کیلئے انتہائی درجہ مفید، مؤثر، خوفِ خدا اور فکرِ آخرت دلوں میں پیدا کرنے والی ہوتی ہیں۔

ان مذکورہ عنوان اور موضوع پر ہمارے اکابر اور اسلاف کے افادات بکثرت شائع ہو چکے ہیں جن کا مطالعہ، مطالعہ کنندگان کے فکر ونظر اور ذہن میں ایک خوشگوار انقلاب لاتا ہے۔

پیشِ نظر یہ کتاب جو خیر خواہِ ملت، اہلِ دل حضرت مولانا علامہ ابرار احمد صاحب نور اللہ مرقدہ (خلیفہ اجل، فخر الاماثل حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب برد اللہ مضجعہ، سابق مہتمم دارالعلوم دیو بند) کے بیانات، قیمتی پند ونصائح، اور روحانی مواعظ پر مشتمل ہے۔ میری نظر میں یہ معلومات افزاء اور زندگی کو تابندگی، روح کو بالیدگی عطا کرنے والی ہے۔

مولانا مرحوم اکابرِ ملت کے منظورِ نظر اور موقر علماء کی نگاہ میں بہت ہی محبوب

تھے، مجھے بھی ان کی زیارت نصیب ہوئی ہے۔حد درجہ متواضع ،شریف النفس منکسر المزاج ،خوش گفتار،خوش کردار،اپنی نظر میں صغیر مگر دوسروں کی نظر میں کبیر تھے،مولانا مرحوم کے مواعظ ،ملفوظات ،اور لطائفِ علمیہ میں بلا کی تاثیر تھی، گفتگو اور تکلم عالمانہ اور بہت ہی ناصحانہ ہوا کرتا تھا۔اللہ تعالی نے ہر موضوع پر کلام کرنے کی قوت عطا فرمائی تھی، مولانا مرحوم کی چند تقاریر اور بیانات کے حسین مجموعہ کو کتابی صورت میں منظرِ عام پر لانے والے عزیز القدر جناب مولانا حافظ وقاری عبد السلام صاحب لاجپوری ہیں۔ یہ کتاب کیا بلکہ سچ تو یہ ہے کہ علم وفن کے دھاگوں سے گوندھا ہوا ایک ''حسین گلدستہ،، ہے، مولانا عبد السلام بذاتِ خود ایک ذی استعداد، راسخ فی العلم،صاحبِ فہم وذکاء خوش اخلاق اور ملنسار عالم فاضل ہیں، لکھنے پڑھنے کا اچھا ذوق رکھتے ہیں اور حضرت مولانا ابرار احمد صاحب مرحوم کے محبین اور عقیدتمندوں میں شمار ہوتے ہیں، اسی عقیدت ومحبت اور خلوص نے مولانا مرحوم کے افاداتِ علمیہ کو عام کرنے کے لئے کتابی شکل میں لانے پر ابھارا میری دعا ہے کہ اللہ تعالی مولانا عبد السلام کی اس علمی اور قلمی کاوش کو قبول فرما کر خواندہ ناخواندہ تمام مسلمانوں کو بھرپور فائدہ اٹھانے کی توفیق ارزانی فرمائے، آمین۔

حضرت مولانا عبد الرحیم صاحب بستوی دامت برکاتہم العالیہ

استاذ تفسیر دار العلوم دیوبند

۲۸/۷/۱۴۳۲ھ / ۱/۷/۲۰۱۱ء بروزِ جمعہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

محترم قارئین، شیخ الحدیث حضرت مولانا ابراراحمد صاحب دھلیوی رحمہ اللہ کو اللہ پاک نے دینی علوم میں بڑا رسوخ عطا فرمایا تھا۔ حضرت رحمہ اللہ جہاں ایک کامیاب مدرس تھے، وہیں ایک بہترین خطیب بھی تھے، اس لیے حضرت کا افادہ مدارس کے طلبہ کے ساتھ مخصوص نہیں تھا، بلکہ عام لوگوں نے بھی حضرت مولانا رحمہ اللہ کے علوم سے بہت فائدہ اٹھایا۔

ہندوستان کے علاوہ زامبیا، ملاوی، جنوبی افریقہ، برطانیہ، کینیڈا، پاناما تک لوگ فیضیاب ہوئے ہیں، انہیں بیانات کا ایک مجموعہ ’’فیضِ ابرار‘‘ کے نام سے اب تک دس جلدوں میں چھپ چکا ہے۔

اس کے علاوہ حضرت رحمہ اللہ کے چند بیانات ایک ضخیم جلد میں پاکستان سے ’’سبق آموز بیانات‘‘ کے نام سے بھی چھپ چکے ہیں۔ اور حضرت رحمہ اللہ کی سوانحِ حیات بھی ’’حیاتِ ابرار‘‘ کے نام سے چھپ چکی ہے۔

اسی طرح حضرت مولانا مرحوم کی دس مجالس کا مجموعہ بنام ’’مجالسِ خطیب الامت‘‘ بھی اس سے پہلے چھپ چکا ہے، اس سلسلہ میں ایک بات کا ذکر کر دینا مناسب سمجھتا ہوں، وہ یہ کہ اس سے پہلے جو دس مجالس کا مجموعہ چھپا ہے اس میں ’’جلد اول،، نہیں لکھا تھا، اور اس کتاب پر جلد دوم لکھا ہوا ہے، اسکی وجہ یہ ہے کہ اُس وقت جب میں مجالس کی پہلی جلد تیار کررہا تھا میرے پاس حضرت رحمہ اللہ کی صرف دس مجالس کی سی، ڈی، ہی موجود تھی، اور مجھے اس کی کوئی امید نہیں تھی کہ بعد میں مزید کچھ مجالس کی کیسیٹیں مجھے دستیاب ہوگی، لہذا اس پر جلد اول نہیں لکھا گیا۔

خیر، مجالس خطیب الامت کی یہ دوسری جلد پیشِ خدمت ہیں جس میں کل گیارہ مجالس ہیں، مزید کچھ کیسیٹس آگے بھی ملی تو انشاء اللہ مجالس کی تیسری جلد بھی پیش کی جائے گی۔

قارئین سے درخواست بھی ہے کہ اگر کسی کے پاس وہ مجالس جواب تک چھپی نہیں ہے وہ کیسیٹ یا سی، ڈی، جس شکل میں بھی موجود ہوتو مجھ تک پہنچانے کی کوشش کرے، اور اس طرح اس کارِ خیر میں شامل ہو جائیں، میرے گھر کا پتہ اور ٹیلی فون نمبر کتاب کے شروع میں درج ہے۔

مجالس خطیب الامت جلد دوم میں جیسا کہ اوپر بھی ذکر کیا کل گیارہ مجالس ہیں اس میں سے تین مجالس مجلس نمبر۱۴، ۱۹، ۲۰ ناقص ہے، چونکہ مجھے اتنا ہی حصہ ریکارڈنگ کا مل سکا، تو میں نے یہ سوچ کر کہ ''**ما لا یدرک کلہ، لا یترک کلہ**''، اسے بھی اس کتاب میں جگہ دے دی ہے۔

یہ وہ مجالس ہیں جو مدینہ مسجد، کلیپٹن، لندن میں رمضان المبارک میں تراویح کے بعد ہوتی تھی، اب تک وہ ''کیسیٹ'' یا ''سی، ڈی'' میں محفوظ تھیں، اوراس سے وہی حضرات فائدہ اٹھا سکتے تھے جن کے پاس اس کی کیسیٹ یا سی، ڈی محفوظ ہیں۔

ان کے فوائد بقا کی قید میں آجائیں اور نفع محدود نہ رہے اسی مقصد سے اس کو شائع کیا جارہا ہے، اللہ تعالیٰ اسے شرفِ قبولیت نصیب فرمائیں۔ آمین۔

حضرت رحمہ اللہ کی یہ جو مجالس ہے اس کی کیفیت یہ ہوتی تھی کہ کبھی تو مجلس میں موجود کوئی صاحب حضرت رحمہ اللہ سے کوئی سوال پوچھتے تھے اور حضرت اس کا تسلی بخش جواب دیتے تھے، اور کبھی حضرت خود کوئی مضمون اپنی طرف سے بیان فرماتے تھے۔

حضرت رحمہ اللہ نے جو باتیں ارشاد فرمائی ہیں، اس کے حوالے بھی اکثر جگہوں پر میں نے اپنی رسائی کے مطابق ذکر کر دئے ہیں، حوالوں کے سلسلے میں ایک بات کا خلاصہ بھی کرتا چلوں کہ یقیناً میں نے جن کتابوں کے نام حوالے میں ذکر کئے ہیں یہ بالکل ممکن

ہے کہ حضرت نے وہ بات ان کتب میں دیکھ کر بیان نہ کی ہو، مگر چونکہ حضرت رحمہ اللہ کی بات اور وہ بات ایک ہی طرح کی تھی اور کتب بھی معتبر تھی، لہٰذا اس کو ذکر کر دیا گیا، اور یقیناً اس میں بعض کتب وہ بھی ہیں جو حضرت رحمہ اللہ کے انتقال کے بعد منظر عام پر آئیں، اور بعض کتب وہ بھی ہے کہ میرا گمانِ غالب یہ ہے کہ حضرت رحمہ اللہ نے وہ بات اس کتاب کے مطالعہ کے بعد کہی ہوگی۔

میں نے اپنی حدتک پوری کوشش کی ہے کہ اس میں کوئی غلطی نہ رہ جائے، مگر بہر حال انسان انسان ہے اور بقول حضرت مولانا ابرار احمد صاحب دھلیوی رحمہ اللہ نسیان کا مادہ خود انسان میں موجود ہے، لہٰذا اگر کوئی غلطی قارئین کو نظر آئے تو اس سے احقر کو مطلع فرمائے، تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح کر لی جائے۔ اور ہاں! اس غلطی کو میری کوتاہی سمجھا جائے کہ مجھ سے اسے قلمبند کرنے میں کوتاہی ہوگئی ہو، نہ کہ حضرت مولانا رحمہ اللہ کی ذات کی طرف اسے منسوب کیا جائے، اور ان باتوں سے جن حضرات کو نفع پہنچے وہ خاص طور سے کچھ ایصالِ ثواب حضرت رحمہ اللہ کی روح کو پہنچادیں، اور احقر کے لیے دین پر استقامت کی دعا بھی فرمائیں۔

اخیر میں میں حضرت مفتی رشید احمد صاحب کتھرادا مدظلہ، شیخ الحدیث جامعۃ القراءت کفلیتہ، کا بے حد ممنون و مشکور ہوں کہ انہوں نے اپنا قیمتی وقت نکال کر مجالس خطیب الامت جلد دوم کا کچھ حصہ دیکھا اور بعض جگہوں پر ضروری اصلاح بھی فرمائی، اللہ تعالیٰ انہیں اس کا بہترین صلہ دارین میں نصیب فرمائیں۔ آمین۔

اسی طرح میں حاجی سلیمان بھائی بنگلہ دیش والے کا بھی شکرگذار ہوں کہ انہوں نے ہر بار کی طرح اس بار بھی ’’مجالس خطیب الامت،، جلد دوم کو کتابی شکل میں منظر عام پر لانے کے لیے میری مالی مدد فرمائی، اللہ تعالیٰ انہیں اور ان کی فیملی کو دنیا و آخرت میں اس کا بہتر سے بہتر بدلہ نصیب فرمائیں، اور ان کی جائز حاجات کو پوری

فرمائیں، آمین۔

ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد
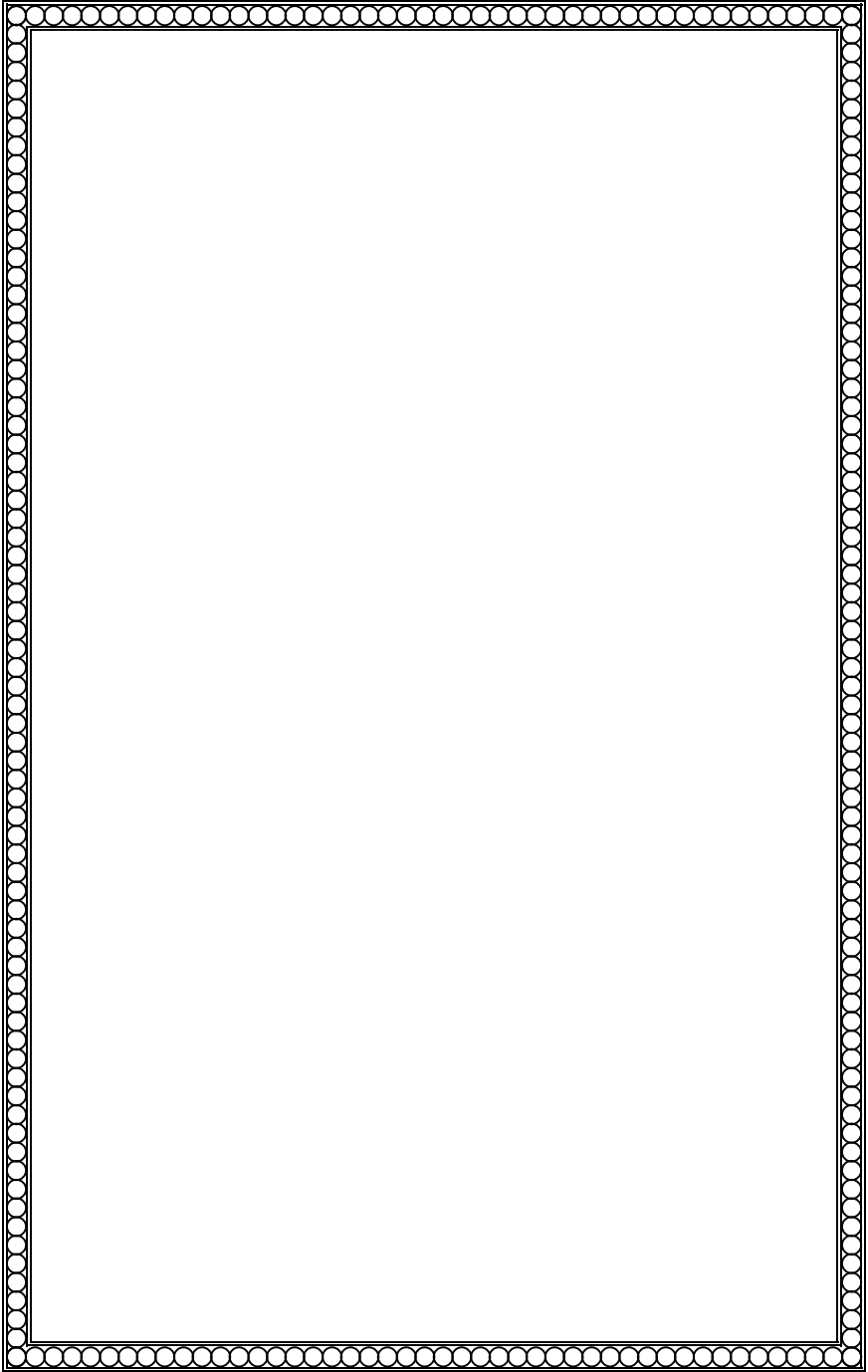
محتاجِ دعا

عبدالسلام ابراہیم ماروِیالا جپوری

حال مقیم، کلپٹن، لندن، یو، کے

۱۷/محرم الحرام ۱۴۳۳ھ بمطابق ۱۲/جنوری ۲۰۱۲ء
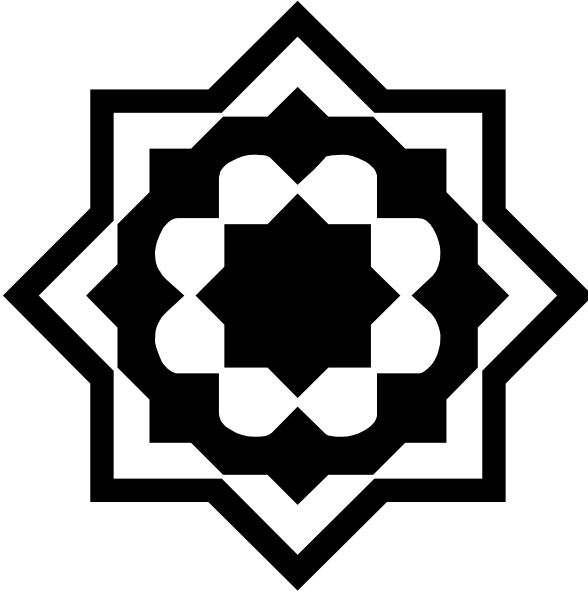
مجلس نمبر ۱۱

نفس، روح اور قلب کی حقیقت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سوال۔حضرت !نفس،روح اور قلب، یہ تین چیزیں ایک ہیں یا الگ الگ ہیں،اس پر کچھ روشنی ڈالیں۔

علوم کا محل دماغ ہے

فرمایا کہ: نفس، روح،اور دل یہ تین چیزیں الگ الگ ہیں،حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے حجۃ اللہ البالغۃ میں کتاب الفتن میں ایک بحث کی ہیں،فرماتے ہیں کہ: شوق کی جتنی کیفیات ہیں ان تمام کا محل قلب ہے،احوال جسے کہتے ہیں حالات،مثلاً خوشی کا طاری ہونا،خوف کی کیفیات کا طاری ہونا، ذوقیات، یہ ساری چیزیں، ان تمام کا تعلق درحقیقت قلب سے ہیں،اورعلوم کا محل دماغ کو قرار دیا انہوں نے،اور بھی بعض حضرات نے علوم کا محل دماغ کو قرار دیا ہے۔(فضل الباری شرحِ بخاری ج ا ص ۵۴۸،شرح اسماء الحسنی ص ۸۷)اور خواہشات جتنی ہیں ان تمام کا محل انسان کی طبیعت کو قرار دیا۔

قلب احوال اور کیفیات کا محل ہے

تو خیر، قلب جو ہے وہ تو ہیں احوال اور کیفیات کا محل، پھر اس میں دو چیزیں ہیں ایک ہے بدن کا ظاہری حصہ، گوشت کا لوتھڑا، آپ ذبح کرے بکرے کو تو اندر قلب نکلے گا،کسی اور جانور کو ذبح کرے تو اس میں گوشت کا لوتھڑا ہے،اور انسان میں بھی وہی ہے،حدیث شریف میں فرمایا گیا کہ ”ان فی الجسد لمضغۃ ، ،انسانی بدن میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے لوتھڑا ہے“ اذا

صلحت صلح الجسد کله ،،جب وہ ٹھیک ہوتا ہے تو سارا بدن ٹھیک ’’واذا فسدت فسد الجسد کله ،،اور وہ جو فاسد ہوتا ہے تو سارا نظامِ بدن درہم برہم ہو جاتا ہے،’’الا وھی القلب ،،(بخاری شریف ۱،۱۳) باخبر ہو جاؤ کہ وہ گوشت کا لوتھڑا اور ٹکڑا دل ہے۔

زمزم سب سے افضل ترین پانی ہے

نبی کریم ﷺ کی جب معراج ہوئی ہیں تو قلبِ اطہر کو نکالا گیا اور سونے کے طشت میں اسے رکھا گیا اور آبِ زمزم سے اسے دھویا گیا،(سیرۃ المصطفی ج۱ ص۲۹۰) اس میں پھر بڑے بڑے لطائف بیان کئے ہیں کہ ایسا کیوں کیا گیا، ایک سوال یہ ہوتا ہے کہ سونے کا استعمال تو جائز نہیں ہے،تو اس کا ایک جواب یہ دیا گیا کہ وہ فرشتوں کا معاملہ تھا،(تقاریر تفسیر قرآن ،ص۱۲۶) آپ ﷺ نے اسے استعمال نہیں فرمایا،اور اس سے ایک بات یہ معلوم ہوئی کہ تمام پانیوں میں افضل ترین پانی اگر کوئی ہے تو آبِ زمزم ہے، ورنہ قلب اطہر کے دھونے کے لئے کسی اور پانی کا انتخاب ہوتا،(تقاریر تفسیر قرآن ،ص۱۲۷) اور پھر دھونے میں کیا حکمت،نکالے جانے میں کیا حکمت، یہ ایک مستقل موضوع ہے، جو انشاء اللہ کسی اور وقت بیان کریں گے۔

گاجر کا استعمال قلب کے لئے مفید ہے

تو عرض یہ کہ یہ بدن میں بائیں جانب جو گوشت کا لوتھڑا ہے جسکو صنوبری شکل کا کہتے ہیں ایسا جیسے گاجر لٹکا دی جائے،اسی لئے مناسبت کی وجہ سے اطباء

لکھتے ہیں کہ گاجر کا استعمال قلب کیلئے مفید ہے، اور مقوی القلب بتلاتے ہیں، (سبزیاں اور پھل کیسے استعمال کریں، ص ۱۳۲) تو گوشت کا یہ لوتھڑا اور ٹکڑا یہ دل ہے، مگر اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ گوشت کا ٹکڑا اور لوتھڑا تو ہر شخص میں موجود ہیں۔

قلب سے مراد ظاہری گوشت کا لوتھڑا ہی ہے

اسی لئے مجدد الف ثانی رحمہ اللہ نے اپنے مکاتب میں ایک بحث فرمائی ہیں اور پہلے تو وہ اس پہ چلے ہیں کہ قلب سے مراد یہ ظاہری گوشت کا لوتھڑا اور ٹکڑا ہی ہے، پھر اسکے بعد بحث کرتے کرتے اسکی جو حقیقت ہے اس پر کلام فرمایا ہے کہ وہ ایک معنوی جوہر ہے جسکو ایک خاص قسم کی ادرا کی طاقت سے تعبیر کر سکتے ہیں۔

اس کو آپ ایسے سمجھ لیں ایک خارجی مثال سے جیسے یہ ٹیوب لائٹ ہمارے سامنے ہے اور اس میں کچھ تار ہے۔

اربابِ فہم کے نماز میں قریب رہنے کی حکمت

(سلسلۂ کلام جاری تھا کہ کوئی عالم تشریف لائے، تو ان سے فرمایا کہ یہاں قریب میں آجائے، پھر فرمایا کہ: اہلِ علم حضرات آگے ہو تو اچھا ہے، نبی کریم ﷺ کی ایک حدیث ہے کہ تم میں جو اربابِ فہم ہیں وہ مجھ سے قریب رہیں۔

(مسلم کتاب الصلوۃ ،باب تسویۃ الصفوف و اقامتھا،ریاض الصالحین حدیث نمبر ۳۴۹)

یعنی نماز میں میرے پیچھے اہلِ علم حضرات رہیں، تا کہ آپ کی اداؤں کو وہ سمجھیں اور امت کو سکھلا سکیں، اور نماز میں اگر گربڑ ہو تو خلیفہ بنانے کی جب

نوبت آئے گی تو پیچھے اگر بزاخفش ہوتو مشکل ہوگی، پڑھا لکھا انسان ہوگا تو وہ خلیفہ بن سکے گا۔(دروس مظفری، درس ترمذی ج۲ص۶۱۲)

قلبِ اطہر انتہائی لطیف تھا

اور قلبِ اطہر چونکہ انتہائی لطیف تھا اس لئے مصلیوں کے احوال کا بھی اثر پڑتا تھا، ایک مرتبہ نماز میں بھول ہوگئی تو فرمایا کہ: تم لوگوں کی طہارت میں جو نقص ہوجاتا ہے اس کا اثر مجھ پر پڑا کہ بھول ہوجاتی ہے،(مشکوۃ شریف کتاب الطہارۃ، حدیث نمبر۱۴۴بحوالہ نسائی شریف) تو قلبِ مبارک کی یہ کیفیت تھی۔

حضراتِ اہلِ علم حضرات کے قریب رہنے کے فوائد

تو حدیث شریف میں ہے کہ جو اربابِ عقل وعلم ہیں وہ مجھ سے قریب رہیں، تو بڑے حضرات یہ اہلِ علم حضرات جو ہوتے ہیں ان کے قریب رہنے سے یہ فائدہ ہے کہ تقویت بھی ہوتی ہے، پھر اپنے پاس کچھ علم بھی نہیں ہے لہذا غلطی ہوتو وہ اصلاح بھی کردیں گے، بتا بھی دیں گے کہ یہ بات غلط ہے، تو ایک فائدہ اس سے یہ بھی حاصل ہوگا۔)

صورت تو ہے مگر حقیقت اس سے رخصت ہے

تو عرض یہ کہ قلب جو ہے اسکی ایک تو ظاہری حیثیت ہے جیسے میں مثال دے رہا تھا کہ ٹیوب لائٹ میں آپ دیکھیں تو باریک باریک تار لگے ہوئے ہوتے ہیں، ایک شکل تو یہ ہے، یا کوئی بلب آپ ہاتھ میں لے لیں تو آپ

دیکھیں گے کہ اس میں باریک باریک خاص قسم کے تار ہیں، مگر وہ اپنی ذات سے ان تمام صلاحیتوں یا اپنی ذات سے ان خوبیوں کا محل نہیں ہے جب تک کہ اس میں جو شئی آنے والی ہے اور روشن ہونے والی ہے وہ موجود نہ ہو، یہی وجہ ہے کہ جس وقت بجلی رخصت ہو جاتی ہے تو وہ تار تو موجود ہوتے ہیں مگر گویا اس میں روشن ہونے والی چیز جو اس کے لئے بمنزلِ جان کہے وہ نہیں ہے تو اس صورت میں گویا صورت تو ہے اسکی، مگر اس کی حقیقت اس سے رخصت ہے، تو انسانی بدن میں گوشت کا جو لوتھڑا ہے وہ درحقیقت محل ہے ایک چیز ہے اور اس سے تعلق رکھنے والی چیز ہے درحقیقت روح بھی اور ادراک بھی۔

لطائف سب فوق العرش ہے

اسی لئے لکھا ہے کہ لطیفہ قلب جو ہے اور لطائف سب فوق العرش ہے یہ شاید آپکی سمجھ میں نہیں آئے گا، کچھ دقیق علمی چیزیں ہیں۔

تعویذ ملفوف ہو تو اس کو پہن کر بیت الخلاء جا سکتے ہے

اور اسکی مثال ایسی دی ہے کہ انسان کے جتنے علوم ہیں وہ سب قلب میں موجود ہیں، اب مثلاً ایک شخص حافظِ قرآن ہے اور وہ بیت الخلاء جاتا ہے تو ظاہر بات ہے کہ اسکے قلب میں قرآنِ کریم موجود ہے پھر بیت الخلاء گیا وہ، اور بیت الخلاء میں قرآنِ کریم کو لے جانا صحیح نہیں ہے، مگر چونکہ یہاں جو شکل ہے وہ ملفوف ہے اس لئے کوئی حرج کی بات نہیں، اور اسی سے ایک مسئلہ یہ بھی مستنبط کیا ہے کہ اگر تعویذ جو ہے وہ پورا ملفوف اور محفوظ ہو چکا ہے اس میں قرآنِ

کریم کی آیتیں لکھی ہوں تو اسکو پہن کر آدمی بیت الخلاء جا سکتا ہے، (زبدۃ الفقہ حصہ اول ص ۱۴۱) تو لطائف سب فوق العرش ہے وہ ایک دوسری بحث ہے جو شاید آپ کی سمجھ میں نہ آئے ماوراءِ فہم ثابت ہو۔

فضیلت کا مدار روح ہے

بس اتنا ذہن میں رہے کہ بدن میں ایک تو گوشت کا لوتھڑا ہے، ٹکڑا ہے، اور حدیث شریف میں اس کو فرمایا گیا کہ وہ قلب ہے، مگر سوال یہ ہے کہ گوشت کا یہ لوتھڑا اور ٹکڑا تو تمام میں موجود ہے، گائے میں، بیل میں، بھینس میں، بندر میں، ہر شخص میں، مرغی کو آپ کاٹے اس میں بھی موجود ہے، مسلمان میں بھی موجود ہے اور غیر مسلم میں بھی موجود ہے۔

قلب پر مہر لگانے کی وجہ

اسی لئے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ایک عجیب استنباط فرماتے تھے کہ قرآنِ کریم میں جن کافروں کے باب میں یہ ذکر ہیں کہ ''**ختم اللہ علی قلوبھم**، '' (سورۂ بقرۃ آیت نمبر ۷) اللہ تعالیٰ نے ان کے قلوب پر مہر لگا دی ہے، اس سے حضرت مستنبط فرماتے تھے یعنی نتیجہ نکالتے تھے کہ اس کے اندر کوئی جوہر تھا کسی قسم کا تبھی تو مہر لگانے کا سوال پیدا ہوا، اگر ابتداء ہی سے کوئی استعداد موجود نہ ہوتی تو مہر لگانے کا سوال ہی کیا ہے، استعداد تھی، مگر اس استعداد کو خراب کرنا شروع کیا تو حق تعالیٰ شانہ نے اس کی سزا میں قلب پر مہر لگا دی۔

(بیان القرآن)

محرومی کا سبب اسکی ناقدری ہے

اور مثال اس کی ایسی ہے جیسے ایک بادشاہ اگر کسی شخص کو ہر مہینہ میں ایک ہزار روپیہ بخشش کے طور پر دیتا ہو، اور وہ عقلمند ایسا ہے کہ وہ ایک ہزار روپیہ لے کر اس کو تالاب میں ڈال دیتا ہو، یا اس شاہی عطیہ کو کسی کوڑے کرکٹ میں ڈال دیتا ہو، اور اس کے بعد پھر بادشاہ سلامت ایک قاعدہ بنالے کہ اب اس شخص کو نہیں دیا جائے گا، بندش ہوگئی، اب اسپر کوئی یہ اعتراض کرے کہ بادشاہ نے اس کو محروم کر دیا، تو یہی کہا جائے گا کہ اس کی محرومی کا سبب حقیقۃً اس کی ناقدری ہے جس پر محرومی کو مرتب کر دیا گیا ہے، تو حق تعالی شانہ کی طرف سے صلاحیت تو دی ہوئی تھی، مگر صلاحیت کا غلط استعمال اور قلب کو فاسد کرنے کے نتیجہ میں حق تعالی کی طرف سے مہر کی شکل ہوئی ہے، رہا یہ مسئلہ کہ یہ استعداد کو انہوں نے اس طرح استعمال کیا کیوں؟ وہاں مسئلہ آجاتا ہے اختیار کا اور مجبوری کا اور مسئلہ قدر کا اور اس کا تعلق پھر تقدیر سے ہے، وہ ایک مستقل بحث ہے جو طول چاہتی ہے اور تفصیل چاہتی ہے۔

بنیادِ شرف جوہرِ لطیف ہے

یہاں صرف اتنا ذہن میں رہے کہ قلب جو ہے گوشت کا ایک لوتھڑا ہے، مگر اس کے اندر جو جوہرِ لطیف ہے اور ادراک کی طاقت ہے وہی درحقیقت بنیادِ شرف ہے، اور یہ معنویات کے قبیل کی چیزیں ہیں اور اللہ تعالی نظر دے تو حسی طور پر بھی سمجھ میں آتا ہے۔

گناہ کی ابتداء غفلت سے ہوتی ہے اور انتہا ارتداد پر

حضرت نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب آدمی گناہ کرتا ہے تو قلب پر سیاہ داغ ہوجاتا ہے اور توبہ کرتا ہے تو صاف ہوجاتا ہے، پھر گناہ کرتا رہے اور توبہ نہ کرے اور گناہ کرتا رہے کرتا رہے تو پورے قلب پر سیاہی چھا جاتی ہے، اور ہوتے ہوتے پھر توفیق سلب ہو جاتی ہے، اور حق تعالیٰ سے دوری ہونے لگتی ہے، (احمد، ترمذی، ابن ماجہ، معارف الحدیث ج۵ ص۳۱۴، ۳۱۵) یہ جو دوری ہوتی ہے گناہ کے نتیجہ میں اسکی ابتداء تو ہوتی ہے غفلت سے، اور انتہا اس کی جا کر ہوتی ہے ارتداد یعنی مرتد ہونے پر، اور غفلت سے لیکر مرتد ہونے تک پھر سات درجات قائم کئے ہیں علماء نے، اور ان کی تفصیلات بھی کتبِ فن میں ہیں، اس کی تفصیل کا بھی یہ موقع نہیں۔

قلب کی سیاہی کو دیکھنے کے لئے بصارت نہیں، بصیرت کی ضرورت ہے

یہاں صرف اتنا ذہن میں رہے کہ قلب جو ہے اس میں جو جوہر حق تعالیٰ نے رکھا ہے جوہرِ لطیف وہی اصل بنیاد ہے، تو وہ ایسا ہے کہ انسان کی ظاہری بصارت سے اس کا ادراک نہیں ہوتا، ظاہری آنکھوں سے، بصیرت سے اس کا ادراک ہوتا ہے، حضرتِ علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: اگر کسی کافر کے قلب کو یا منافق کے قلب کو اگر چیر کر دیکھے اور اسے کاٹے تو فرمایا کہ: سیاہ نظر آئے گا، (فتح الملہم شرحِ مسلم) اور وہ سیاہ نظر آنا بایں معنی ہے کہ بصیرت کی نگاہ سے اگر آدمی دیکھے

تو وہ سیاہ نظر آئے گا، ورنہ ویسے آپ دو آدمی کا آپریشن کرے جس میں ایک مسلمان ہو اور ایک غیر مسلم ہو اور دونوں ایک ہی علاقہ کے رہنے والے ہو اور دونوں کا قلب دیکھے تو دونوں کے قلب کی رنگت میں، اور گوشت کی کیفیت میں کوئی خاص فرق نہیں ہوگا، تو وہ جو چیز ہے وہ معنوی چیز ہے جس کی طرف حضرتِ علی رضی اللہ عنہ اپنے اس ارشاد میں اشارہ فرمارہے ہیں، تو قلب تو ایک ظاہری لوتھڑا ہے جو انسانی بدن میں ہے اور وہ محل ہے اس حقیقت کے لئے۔

انسانی قلب کی مثال امیر المؤمنین کی ہے

اسی لئے ایک سوال یہ ہے اور حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے اس کو چھیڑا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ: دماغ جو سب سے اوپر ہیں اور قلب جو ہے وہ در حقیقت سینہ میں رکھا ہے بائیں جانب، تو علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کا خیال ہے وہ فرماتے ہیں کہ: قلب کی حیثیت امیر المومنین کی ہے، (ملفوظات محدث کشمیری ص ۲۸۲) آپ نے دیکھا ہوگا کہ سلاطین کے جو بنگلے ہوتے ہیں وہ سیٹی سے ایک سائٹ ہوتے ہیں، اور ایک طرف ان کا اپنا ایک امتیاز ہوتا ہے، تو ان کے بنگلے تالاب کے کنارے کسی جگہ دور، دور اور بہت دور ہوتے ہیں، تو غرض یہ کہ ایک شکل تو یہ ہوتی ہے، اور امیر المومنین کی شان ہوتی ہے خادم کی کہ وہ سید تو ہوتے ہیں سردارِ قوم مگر ''سید القوم خادمھم''، کے پیشِ نظر وہ رعایا کے اندر ہی رہتے ہیں، تو قلب در حقیقت انسانی بدن کا بادشاہ ہے اور جب قلب بادشاہ ثابت ہوا تو اسکی امیر المومنینی شان ہے، صرف بادشاہی نہیں، اور اس شان کی

وجہ سے جو خادمانہ پہلو ہیں اس کا تقاضہ یہ ہے کہ یہ کنٹری جو بدن کی ہے اور مملکت اس کے بیچ میں اسے بسایا جائے تو بجائے گویا سائٹ میں اور ایک طرف رکھنے کے درمیان میں اسے رکھا گیا کہ اس کی حیثیت امیر المومنین کی ہے۔

بائیں طرف شرف سے محرومی تھی لہذا قلب کو رکھ کر اس کی تلافی کردی گئی

اور داہنی جانب جو ہے وہ شرف کی جانب ہے بزرگی کا پہلو ہے (فضل الباری شرحِ بخاری ج اص ۲۵۳) داہنی میں رائٹ سائٹ جس کو کہتے ہیں اور قلب کو بجائے رائٹ سائٹ میں رکھنے کے اس کو لیفٹ سائٹ میں رکھا ہے بائیں طرف، تو اسکی وجہ یہ ذکر فرمائی کہ داہنی طرف رائٹ سائٹ تو گویا شرف ہے ہی صحیح، اور بائیں طرف شرف سے محرومی تھی اس وجہ سے قلب کو اس طرف رکھ کر اس کی تلافی کردی گئی کہ برابری کی شکل پیدا ہو جائے۔

طواف کی ابتداء بائیں طرف سے رکھنے میں حکمت

اور بندے کا ایک خیال یہ بھی ہے کہ طواف کے متعلق مسئلہ یہ ہے کہ جیسے مثلاً یہ بیت اللہ شریف ہے تو طواف جب ہوگا تو اس طرف سے ہوگا اس طریقہ سے، جن کو اللہ تعالی نے وہاں جانے کی توفیق نصیب فرمائی ہے وہ جانتے ہیں کہ جب طواف کے لئے چلیں گے تو بیت اللہ بائیں جانب پڑتا ہے، تو مجھ

سے ایک صاحب نے کہا کہ بیت اللہ داہنی جانب ہونا چاہیئے، میں نے کہا اصل میں یہ سفرِ عشق ہے اور عشق کا تعلق قلب سے ہے اور قلب عاشق بے قرار ہے تو جب بائیں جانب سے شروع کریں گے تو قلب بیت اللہ کے قریب ہوگا (کنز ص ۱۸۶، اسرار کائنات ص ۲۵۹) اور اس قرب کی وجہ سے ایک گونہ اسے تسکین ہوگی، اور اگر وہ داہنی طرف سے شروع ہوتا تو ظاہر ہے کہ قلب کے لئے بُعد کی شکل ہو جاتی اس وجہ سے یہ صورت اختیار کی گئی۔

جہاں حکمت چلے گی وہاں حکمت چلائیں گے ورنہ نہیں

مگر اس دائیں بائیں میں پھر تفصیلات ہو سکتی ہے اگر آدمی اس میں کچھ ذکاوت سے کام لے، اس لئے کہ دارو مدار اس کا حقیقۃً ادھر کے معاملات پر ہیں، اس لئے جہاں یہ حکمت چل سکے گی وہاں تو چلائیں گے، اور جہاں نہیں چلے گی وہاں نہیں چلائیں گے، مثلاً اگر کوئی اپنی ذکاوت سے یہ اشکال کردے کہ بیت الخلاء میں جاتے وقت حکم یہ ہے کہ بایاں پیر پہلے رکھے (زبدۃ الفقہ حصہ اول ص ۱۴۱) اور بایاں پہلو جو ہے بدن کا کمزور ہے مگر قلب کی وجہ سے جب برابری اور مساوات ہے تو پھر یہ نہیں ہونا چاہیئے، تو وہاں صاحبِ شریعت نے دوسرے ایک پہلو کو بھی ملحوظ رکھا ہے، وہ اس کی اپنی اصلی حالت ہے بائیں طرف ہونا، تو بہر حال، یہ اسرار ہے، اس میں بڑی بڑی گویا گفتگو ہے، اور خاص طور سے مجدد الفِ ثانی، شاہ ولی اللہ، امام غزالی، امامِ رازی، اور شیخ عبدالعزیز دباغ، شیخ محی الدین ابنِ عربی، اور علامہ انور شاہ کشمیری، حضرت حکیم الامت، اور حضرت

نانوتوی رحمھم اللہ، اوران کے علاوہ بہت لوگ امت میں گذرے ہیں، اور ائمہ کے جو علوم ہیں اور انہوں نے اس پر جو گفتگو کی ہیں تو واقعی اس کو پڑھ کر طبیعت عش عش کر جاتی ہے، جھوم جاتی ہے۔

ہر حقیقت اپنے مناسب صورت تلاش کرتی ہے

تو بات اس پر تھی، اچھا ایک بات اور سمجھ لیں، کہ اس عالم میں ہر حقیقت اپنے مناسب صورت کو تلاش کرتی ہے، اور یہ بھی ذہن میں رہے کہ جب ہر حقیقت کے مناسب ایک صورت ہوتی ہے، اور ہر صورت کے مناسب ایک حقیقت ہوتی ہے، تو اس سے ہٹکر وہ شئی کسی اور مقام پر ہوتو اس میں وہ بات نہیں رہے گی، جیسے مثال کے طور پر گلاب کی ایک خوشبو ہے تو قدرت نے اس خوشبو کو جو ایک معنوی چیز ہے اور خفی چیز ہے شامہ سے اس کا ادراک ہوتا ہے سونگھنے کی طاقت سے، تو لطیف ترین چیز ہے اس لئے اس کے مناسب جو شکل ہوتی ہے اس کو اختیار کیا، تو معلوم ہوا کہ گلاب کا پھول یہ تو اس کی صورت ہے اور اندر جو خوشبو ہے وہ اس کی حقیقت ہے۔

صورت کو حقیقت سنبھالے ہوئے رہتی ہے

اور ہر حقیقت جو ہے وہ اپنی صورت سے ایک جوڑ رکھتی ہے، اور ہر صورت حقیقت سے، بلکہ اگر زیادہ گہرائی میں جائے تو یہ سمجھ میں آتا ہے کہ صورت کو حقیقت سنبھالے ہوئے رہتی ہے، تھامے ہوئے رہتی ہے، اگر حقیقت نہ ہوتو صورت رخصت ہو جائے گی، اور صورت کی طرف سے حقیقت کے حق میں یہ

عنایت ہے کہ صورت حقیقت کوظاہر ہونے کی دعوت دیتی ہے، جیسے مثلاً انسانی بدن ہے اس پورے بدن کی ایک حقیقت ہے جو روح کہلاتی ہے، اور قلب کے بعد دوسرا سوال روح کا تھا اس لئے اس سے جوڑ بھی ہو گیا، تو پورا بدن تو ایک صورت ہے اوراس میں جو آتما ہے روح ہے وہ اس کی باطنی حقیقت ہے معنوی حقیقت، اب آپ دیکھئے کہ وہ حقیقت اگراس صورت سے رخصت ہوتو صورت محفوظ نہیں رہتی، اور میں تو مثال دیا کرتا ہوں کہ عجیب قدرت کا نظام ہے کہ ٹائلس کے جو بیت الخلاء ہوتے ہے اس میں بڑی بڑی صفائی کے بعد بھی بیس سال پچیس سال بعد پتھر خراب ہو جاتے ہیں، مگر جس زمانہ میں عاد وثمود کے لوگ تھے ان میں سے بعض دو ہزار سال جینے والے، تین ہزار سال ایسی بھی عمریں ہوئی ہیں بعضوں کی اتنی طویل طویل، حتی کہ اپنی زندگی میں مکان بناتے جب گر جاتا پھر دوبارہ بناتے پھر گر جاتا، نوبت آئی کہ "**الـذیـن جـابوا لصخر بالواد**" (سورۂ فجر آیت نمبر۹) وادیوں کو بھی کریدتے تھے اوراس میں جا کر وہ رہتے تھے، اور اب حال یہ ہے کہ ایک مکان بن جاتا ہے تو دادا گئے، بیٹے گئے، پوتے گئے، پڑپوتے آئے وہ بھی رخصت، اور مکان اپنی جگہ قائم ہیں، تو اتنی اتنی طویل عمر اور آنتوں میں فضلہ ہوتا ہے نجاست پاخانہ ہوتا ہے تو اس کا اثر یہ ہونا چاہئے کہ بدن میں سڑان پیدا ہو جاتی، مگر روح کے یہ آثار ہے کہ سڑان صدیاں گذرنے پر بھی نہیں پیدا ہوتی ہے، اور ادھر آپ دیکھے کہ جہاں اندر سے روح نکل گئی تو یہ سارا شیرازہ جو مجتمع تھا وہ منتشر ہونا شروع ہو جاتا ہے کہ چہرے میں تغیر ہے، پیٹ پُھلنا شروع ہوتا ہے، ہاتھ پیر

کی کیفیت کچھ عجیب سی ہو جاتی ہے، تو معلوم ہوا کہ وہ جو حقیقت ہے وہ حقیقت اس صورت کو اپنے وجود سے محفوظ رکھے ہوئے اور سالم رکھے ہوئے ہیں، تو حقائق صور کے حق میں محافظ ہیں۔

صورت حقیقت کو ظاہر ہونے کا موقع دیتی ہے

اور صورت حقیقت کو ظاہر ہونے کا موقع دیتی ہے، یہی وجہ ہے کہ اس بدن کو آپ ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے اور قیمہ کر ڈالے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ صورت جب نہیں ہے اس کے ظاہر ہونے کا محل تو وہ حقیقت بھی رخصت ہو جائے گی، اور کہے گی کہ بھائی مبارک ہو آپ لوگوں کے لئے یہ عالم، ہمارا محل اور مکان تو اب رہا نہیں ہے، تو ہر شئی کے مناسب ایک چیز ہوتی ہے۔

ہر مؤمن کے قلب پر غیب سے فتوحات ہوتی ہے

اب ایک بات اور سنئے، بزرگوں نے لکھا ہے کہ ہر مومن کے قلب پر غیب سے فتوحات ہوتی ہے، یعنی اللہ جل شانہ کی طرف سے ہر مومن کے دل پر تجلی ہوتی ہے، ہر مومن کے قلب پر نور آتا ہے، مگر رذائل ہوتے ہیں تو وہ رخصت ہو جاتی ہے، اور رذائل کی اصلاح ہو چکی ہو تو اس صورت میں وہ ٹھہرتی ہیں اور اس کے برکات حاصل ہوتے ہیں، اور مثال اس کی دیکھئے، مثلاً ایک شریف آدمی ہے اور باذوق آدمی ہے اس کو ایک آدمی نے اپنے یہاں دعوت دی یا وہ خود اس کے یہاں گیا، وہاں جب پہنچا تو دیکھا کہ دروازے کے باہر نجاست پڑی ہوئی ہے، دروازے کے اندر دیکھا تو وہاں بھی نجاست پڑی ہوئی ہے،

کہیں پیشاب پڑا ہے، کہیں مینگنی پڑی ہے، کہیں پاخانہ پڑا ہے، تو وہ لاحول پڑھ کر واپس آجائے گا، کہ وہ مکان اس پوزیشن میں نہیں ہے کہ اس مکان میں یہ جاسکے، تو یہ گیا تو تھا مگر وہ اس لائق نہیں رہا کہ اس میں یہ ٹھہرے، تو حق تعالی کی طرف سے قلوب پر یہ عنایات ہوتی ہیں کہ ادھر سے تجلی تو ہوتی ہے ہر قلبِ مومن پر اس کی شایانِ شان مگر جس قلب میں رذائل ہیں گویا اس مکان میں نجاست بھری پڑی ہے اور جب نجاست ہیں تو وہ شریف چیز اس کے اندر ٹھہر نے سے رہی، لہذا رخصت ہوجاتی ہے، اور اگر قلب کا تزکیہ کیا جائے اور تقوی اور تعلق مع اللہ کے نتیجہ میں اس میں صفائی ہوتی ہے تو پھر وہی چیزیں جو ہے آکر اپنے اثرات اور اپنی برکات دکھلاتی ہے اور اس سے تلبس ہوتا ہے تعلق قائم ہوجاتا ہے، تو بہر حال قلب کی جو اصل روح ہے وہ در حقیقت وہی جوہرِ لطیف ہے۔

انسانی بدن کا تجزیہ امام رازی رحمہ اللہ کی زبانی

اسی لئے امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے تفسیرِ کبیر میں سورۂ طہٰ میں ایک مقام پر بحث فرمائی ہے اور اس میں انہوں نے پورے بدن کا ایک عجیب سا تجزیہ کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ: انسان کا پورا بدن ایسا ہے جیسے ایک ملک ہو اور اتنا حصہ جو سینہ ہے اسکو انہوں نے تشبیہ دی ہے جیسے ایک کوٹ ہو قلعہ ہوتا ہے اس طریقہ سے، اور اس قلعہ کے اندر قلب کی حیثیت جو ہے وہ در حقیقت تخت کی حیثیت ہے، اور قلب کے اندر جو فواد ہے پھر اس میں بھی بڑی بحث کی

ہے کہ قلب اور فواد میں کیا فرق ہے ''ان الکلام لفی الفواد وانما جعل اللسان علی الفواد دلیلا، ،تو قلب کے اندر جوایک جوہر ہے اسکی حیثیت تو ہے بادشاہ سلامت کی اور بادشاہ سلامت کی اصل جان درحقیقت روح ہے تو فواد کو روح سے بھی تعبیر کر لے آپ، (جامع الدراری شرحِ بخاری ص۲۹۲) تو پورا بدن تو ایک کنٹری ہے یہ پوری چھاتی یہ ایک قسم کا کوٹ اور قلعہ ہے، اور اس میں جوتخت کی پوزیشن ہے وہ درحقیقت قلب کی ہے،اور بادشاہ کی حیثیت فواد کی سمجھ لیں آپ، اور یہ موٹی سی بات ہے کہ جب کسی جگہ بادشاہ ہوتا ہے تو ضرورت اسکے لئے اور چیزوں کی بھی ہوتی ہے اوراس کی حفاظت کے لئے فصیل اور کوٹ ہوتے ہے، اور کبھی خندق سے حفاظت کی جاتی ہے،تو امام رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ انسانی بدن کی فصیل تو یہ حدودِ اربعہ ہیں ،مگر معنوی اعتبار سے روحانی اعتبار سے اس کے لئے خندق وہ زہد کی ہے کہ اگر زہد کی شکل ہوگی تو اس صورت میں گویا خندق کھدی ہوئی ہے، یا یہ کہ وہ جو دیواریں محافظ ہے اس کو زہد سے تعبیر کیا ہے امام رازی رحمہ اللہ نے کہ اگر زہد موجود ہے بے رغبتی دنیا سے تو معنوی طور پر حفاظت ، کیوں کہ دشمن لگے ہوئے ہیں شیاطین وغیرہ تو ان سے حفاظت بھی چاہئے ، اور غذا کے لئے اس بدن میں نظام کی ضرورت ہے تو قوتِ شہوت کو رکھا ہے اور شہوانیات کے ذریعہ سے تمام غذائیں فراہم ہوتی رہتی ہے،تو ڈیفینس کے لئے قوتِ غضبیہ کو رکھا ہے کہ اس کو کام میں لاکر آدمی دشمن سے انتقام لے، نفس کی مخالفت میں، شیطان کی مخالفت

میں، دین کے مخالفین کی مخالفت میں، تو اس طریقہ سے قوتِ غضب جو ہے وہ ڈیفینس کے لئے ہے۔

انسان میں علم وحکمت ضرورت سے زائد ہو تو اس کو دحامت کہتے ہے

اس کو آپ سمجھنے کے لئے ایسا سمجھ لے کہ انسان میں تین طاقتیں ہیں، ایک تو ہے انسان میں علم، کسی چیز کو آپ سب سے پہلے دیکھیں گے اور اسکے بعد سوچیں گے کہ مفید ہے یا مضر، نافع ہے یا ضار، اگر مفید ہے یا ضروری ہے اور اس کو لینا آپ چاہے تو اس کے لئے ایک قوت رکھی ہے قدرت نے بدن میں، اور اگر مضر ہے اور اس کو آپ دور کرنا چاہے تو اس کے لئے ایک قوت ہے، تو پہلے تو آپ کسی چیز کو سمجھیں گے اور جب کسی چیز کو آپ نے سمجھا، جانا، تو یہ قوتِ علم اور قوتِ حکمت ہے، یہ حاکمِ انسانی ہے بدن میں، اور اس علم وحکمت کہ پھر تین درجات ہے، اگر حکمت اور علم ضرورت سے زائد ہو جائے جس کو دحامت کہتے ہیں بہت زیادہ ہوشیار ہو جائے، اور حدود سے تجاوز کرنے لگے یہ دحامت کا درجہ ہے، اس کو افراط کہیں گے، اعتدال سے زائد انلمیڈ جسے کہتے ہیں اور یہ دحامت جو ہے مذموم ہے۔

علم وحکمت اگر ضرورت سے کم ہو تو سفاہت کہلائے گی

اور علم وحکمت کا جتنا درجہ آدمی میں ہونا چاہئے اس سے اگر کم ہے اور اس سے جو ہے نیچے کا درجہ ہے تو اس صورت میں یہ تفریط ہے، اور اس کو سفاہت

کہتے ہیں یعنی حماقت، تو زیادہ بڑھ جائے یہ دحامت کہلائے گی، گٹ جائے (کم ہو جائے) یہ سفاہت کہلائے گی، اور درمیان کا درجہ جو مطلوب ہے وہ حکمت کہلاتی ہے، تو اس میں قوتِ علم پہلے کام کرتی ہے، تو تین درجے ہیں، اور بیچ کا درجہ جو ہے وہ حکمت کہلاتا ہے۔

خواہش کے تین درجات ہیں

اسکے بعد جو فوائد حاصل کرنے کی قوتیں ہیں وہ درحقیقت شہوت کہلاتی ہے خواہش، رغبت، اچھا! اور خواہش کا بھی سوال تھا، تو خواہش اور رغبت جو ہے اس میں تین درجات ہیں۔

خواہش کا ایک درجہ فجور کہلاتا ہے

ایک درجہ تو یہ ہے کہ آدمی اپنی خواہش کو آنکھ مینچ کر پوری کرے، جیسے کچھ لوگوں کا حال ہے آپ جانتے ہیں وہ کون لوگ ہیں، جو مل گیا اسے پکڑ لیا، جو سمجھ میں آیا کھالیا، جہاں چاہا وہاں چلے گئے یعنی زندگی پہ کوئی کنٹرول نہیں ہے، ان کی پوری لائف گویا آؤٹ آف کنٹرول ہے، تو شہوت اگر اس پوزیشن میں ہے تو یہ فجور کہلاتا ہے، اس کو افراط سے تعبیر کرتے ہیں۔

خواہش کا دوسرا درجہ جمود کہلاتا ہے

اور اگر ضرورت کے محل اور موقع پر بھی شہوت کام نہ کرے تو یہ جمود کہلاتی ہے مثلاً فجور تو یہ ہے کہ آپ کے گھر میں بیوی ہے، اور باہر سے کوئی گذر رہا ہے

اس کو بھی پکڑ لایا یہ فجور کہلائے گا، اور جمود کی حیثیت یہ ہے کہ آپ کے گھر میں اہلیہ محترمہ ہے اور وہ آپ کی شکایت کر رہی ہے کہ ان کو ہماری طرف توجہ ہی نہیں ہے، جیسے ایک قاضی صاحب کے پاس ایک عالم صاحب بیٹھے تھے، ایک عورت آئی، قاضی صاحب نے پوچھا کیوں آنا ہوا؟ اس نے کہا ایک کام ہے، پوچھا کیا کام ہے، کہا کچھ نہیں بس اپنے شوہر کا حال بیان کرنا ہے کہ بے چارے بڑے اچھے آدمی ہے رات بھر نمازیں ہی پڑھتے رہتے ہیں، اور دن میں روزہ ہی رکھتے رہتے ہیں، تو وہ جو عالم تھے ان کو بڑا تعجب ہوا، وہ سادہ علم ہوگا بے چاروں کا، تو قاضی صاحب نے کہا کہ آپ تو سمجھ رہے ہیں کہ یہ عورت اپنے شوہر کی تعریف بیان کر رہی ہے، مگر دوسرے لفظوں میں وہ شکایت کر رہی ہے کہ میرا حق ادا نہیں کرتے، جب مصلی ہی سے ان کا تعلق ہے اور اس طرف روزہ سے تعلق یا جیسے ایک عالم تھے وہ ہر وقت کتاب ہی دیکھتے رہتے تھے انکے گھر میں تقریباً چار سو کتابیں تھیں، انکی بیوی کہتی تھی کہ میری چار سو سوکنیں ہیں، کہ ہر وقت کتابوں میں لگے ہوئے ہیں میری طرف کوئی توجہ ہی نہیں، ایک دن کچھ ہمت کر کے کہنے لگی کاش! میں بھی کتاب ہوتی تا کہ آپ مجھے دیکھتے رہتے، وہ بھی تھے من چلے، کہنے لگے تمہیں یہی شوق ہے تو پھر میں تمنا کروں گا کہ کاش تم ڈائری ہوتی کہ میں ہر سال میں بدلتا رہتا، چینج کرتا رہتا، وہ ان سے بھی زیادہ آگے کے تھے، اچھا! تو بہر حال، اگر بیوی گھر میں موجود ہے اور شوہر فرصت علی خاں ہے کہ ادھر توجہ ہی نہیں ہے، یا توجہ کرنا چاہتے ہے تو متوجہ ہو نہیں

سکتے ہے، طبیب کی ضروت ہے ان کو، تو غرض یہ کہ باہر کی پکڑ لائے تو یہ فجور ہے، اور اپنے محل میں شہوت کو پورا نہیں کرتا ہے تو اس صورت میں یہ جمود کہلاتا ہے، اور جمود تفریط ہے جو کم درجہ اور برا ہے، اور فجور افراط ہے جو مذموم ہے۔

درمیان کا درجہ عفت کہلاتا ہے

اور درمیان کا درجہ عفت کہلاتا ہے کہ عفت کا مطلب ہی یہ ہے کہ جہاں شہوت استعمال کرنی چاہئے وہاں اس کو استعمال کرے، جو چیز کھانے کی ہے اسے کھائے، جو چیز پینے کی ہے اسے پیئے وغیرہ۔

گجرات کی دبلیاں باندیوں کی پوزیشن میں ہیں

جنسی خواہش میں جو ہے بیوی ہے تو اسے استعمال کرے، یا اپنی لونڈی ہے شرعی، وہ گھر میں کام کرنے والی نہیں، ڈابھیل کے قریب ایک گاؤں ہے کالا کاچھہ وہاں حضرت مولانا ایبجی صاحب تھے وہ کہتے تھے کہ گجرات میں جتنی دبلیاں ہیں سب باندیوں کی پوزیشن میں ہیں جو پہلے زمانے میں ہوتی تھیں، پہلے زمانہ میں باندیاں ہوتی تھیں ان سے بھی صحبتیں ہوتی تھی، مملوکہ ہوتی تھی، تو وہ کہنے لگے گجرات کی دبلیاں یہ باندیوں کی پوزیشن میں ہیں، اچھا! تو اب قصہ یہ ہیں کہ شہوت اگر غلط محل میں اور غلط جگہ استعمال کرتا ہے تو فجور ہے یعنی اس کو فاجر کہیں گے، اور جہاں اپنی شہوت استعمال کرنی ہے وہاں نہیں کرتا ہے تو جمود ہے جامدِ محض، اور جس جگہ کرنا ہے وہاں کرتا ہے، اور

جہاں نہیں کرنا ہے وہاں خواہش پوری نہیں کرتا ہے تو یہ عفت کہلاتی ہے اعتدال کا درجہ۔

بعض حضرات ہوا سے لڑنے کی کوشش کرتے ہیں

تیسری قوت ہے دفاع اور ڈیفینس کی وہ غضب کی قوت ہے، وہ انسان میں رکھی ہے تا کہ ناگواریوں کو دور کیا جا سکے، تو آدمی اگر ہر بات میں پاجامہ سے باہر ہے آگ بگولہ ہے بالکل تو یہ افراط کا درجہ کہلاتا ہے، اس کو تحور کہتے ہیں کہ بعض لوگ ہوا سے لڑنے کی بات کرتے ہیں، ایک صاحب مسجد میں گئے گھڑی کی آواز آرہی تھی تو گھڑی پر خفا ہو رہے ہیں، صبح ہوئی تو کوّے نے بولنا شروع کیا تو اس سے لڑنا شروع کر دیا، تو کوئی کوّے سے لڑتا ہے، کوئی گھڑی پر بگڑتا ہے، کوئی ہوا سے بھڑتا ہے، یہ گویا کیفیت ہے، تو یہ جو درجہ ہے وہ تحور کہلاتا ہے، افراط کا درجہ کہ آدمی بالکل ان لمیڈ ہو جائے پاجامہ سے باہر یہ تحور ہے قوتِ غضبیہ میں۔

یہ بزدلی ہے

اور اگر محل میں اور اپنی جگہ میں بھی غصہ نہ آئے تو ایسی صورت میں یہ جبن کہلاتا ہے جس کو بزدلی سے تعبیر کرتے ہیں، مثلاً آدمی کی بیوی موجود ہے اور کوئی آکر اس کو چھیڑ رہا ہے تب بھی غصہ نہیں آتا اسکو تو یہ جبن کہلائے گا، بزدلی کہلائے گی، تو جہاں غصہ نہیں ہونا ہے وہاں غصہ ہو رہا ہے تو یہ تحور ہے، مضر ہے

یہ چیز اور جہاں غصہ ہونا ہے وہاں بھی جناب غصہ نہیں ہوتے ہے تو یہ جبن ہے تو پہلی صورت تو یہ ہے کہ غلط محل میں غضب یعنی جہاں نہیں ہونا چاہئے وہاں غصہ ہوتا ہے اور دوسری صورت یہ ہے کہ جہاں غصہ ہونا چاہئے وہاں نہیں ہوتا تو اس کو جبن سے تعبیر کریں گے یعنی بزدلی سے، یہ دونوں میں فرق ہے۔

کلی طور پر نو چیزیں ہوئیں

تو اب کلی طور پر نو چیزیں ہوئیں ،قوتِ علمیہ کے تین درجات ہیں، بالکل ان لمیٹ وہ دحامت کہلاتا ہے،اور کم درجہ وہ سفاہت کہلاتا ہے،اور اعتدال کا درجہ وہ حکمت کہلاتا ہے،اور قوتِ شہوات میں تین درجات ہیں،غلط جگہ شہوت استعمال کریں تو فجور ہے،اور اپنے محل میں بھی استعمال نہ کرے تو جمود ہے،اور جہاں مناسب ہو وہاں کرے اور جہاں مناسب نہ ہو نہ کرے یہ عفت کہلاتا ہے۔

اور قوتِ غضبیہ کے بھی تین درجات ہیں کہ بے موقع غصہ ہو رہا ہے یہ تحور کہلاتا ہے جو مذموم ہے، اور جہاں ہونا چاہئے وہاں بھی نہیں ہوتا یہ جبن و بزدلی کہلاتی ہے،اور جہاں موقع ہے وہاں ہوتا ہے موقع نہیں تو کنٹرول کرتا ہے یہ درحقیقت شجاعت کہلاتی ہے،تو علم میں سے تین چیزوں میں سے حکمت لے لے،اور شہوت کی تین چیزوں میں سے عفت لے لے،اور غضب کے تین درجات میں سے شجاعت لے لے۔

یہ امت کو کھڑا کر دینے والی آیت ہے

تو حکمت، عفت اور شجاعت، اس کا مجموعہ درحقیقت عدالت ہے، اور جب عدل کی یہ حقیقت ہے، تو اب آپ دیکھئے کہ قرآنِ کریم کے عدل کا لفظ اسپر بھی کھپتا ہے اور سارے عدل پر اس لئے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے یہ ان کی دانشمندی تھی کہ انہوں نے خطبۂ ثانیہ کے آخر میں جو آیت رکھی ہے وہ یہ ہے کہ خطیب یہ پڑھے "**ان اللہ یامر بالعدل وا الاحسان وایتاء ذی القربی وینھی عن الفحشاء واالمنکر وا لبغی یعظکم لعلکم تذکرون**"، (سورۂ نحل آیت نمبر۹۱) (معارف القرآن کاندھلوی ج ۴ ص ۳۹۸) اور واقعی یہ آیت امت کو کھڑا کر دینے والی ہے، اور میں تو کہتا ہوں جو ترجمہ نہیں سمجھتے وہ اس آیت کو سنکر جلدی کھڑے ہوتے ہیں، امام جب خطبہ میں اس آیت کو پڑھتا ہے تو جو لوگ مطلب سمجھتے ہیں وہ تو خیر کھڑے ہوتے ہیں لیکن جو نہیں سمجھتے وہ اور جلدی کھڑے ہوتے ہیں، تو یہ امت کو کھڑا کر دینے والی آیت ہے، اس میں بڑے احکام ہیں، تو عدل میں تو ساری چیزیں آ گئی توحید وغیرہ مگر یہ خاص ترتیب سے اخلاق وغیرہ اخلاقیات بھی اس میں آجائیں گے۔

قلب مکان ہے اور روح مکین ہے

تو قلب درحقیقت ایک لوتھڑا ہے اور اسکی اصل جان درحقیقت روح ہے، تو اس کو آپ یوں کہہ لے کہ قلب تو ایک گھر ہوا اور روح درحقیقت اس کے اندر

حلول کرنے والی ایک شئی ہے، اس سے تعلق رکھنے والی ایک شئی ہے، تو یہ مکان ہے اور مکین جو ہے ٹھہرنے والی یہ روح ہے۔

طبیعت کو نفس سے بھی تعبیر کرتے ہیں

اور انسان کے بدن میں اللہ تعالی نے طبیعت رکھی ہے، اور وہ جو طبیعت ہے اس طبیعت کو تعبیر کرتے ہے نفس سے، تو ایک شکل یہ ہے۔

شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ کی رائے یہ ہیں کہ نفس اور قلب ایک ہی چیز ہے

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں اور ان کے علاوہ بھی بعض علماء نے لکھا ہے کہ نفس اور قلب ایک ہی چیز ہے (مجالسِ خطیب الامت حصہ اول ص ۱۱۱)۔

بعض محققین علماء کی رائے یہ ہیں کہ نفس اور قلب الگ الگ چیزیں ہیں

مگر بعض محققین نے لکھا ہے کہ نفس اور چیز ہے قلب اور چیز ہے۔ (مرقاۃ ج ۱ ص ۲۵۴)۔

نفس کی اسٹیم کھانے پینے سے تیار ہوتی ہے

اور نفس کی اسٹیم بقول ہمارے حضرت حکیم الاسلام رحمہ اللہ کے کھانے پینے

سے تیار ہوتی ہے (مجالسِ خطیب الامت حصہ اول ص ۱۱۱) اسی لئے فرمایا کہ: رمضان میں اسکی اسٹیم جو ہے کمزور کردی جاتی ہے دانہ پانی بند تو حضرت ڈھیلے ہوجاتے ہیں، اور واقعی کیسا انداز ہے کہ شیطان جو ہے باہر کا دشمن ہے وہ آدمی کو ورغلاتا ہے اس کو چڑھاتا ہے، غلط چیزوں کی طرف اس کو لے جاتا ہے، تو جب رمضان المبارک آتا ہے تو جو سرکش شیاطین ہیں وہ تو قید کردیئے جاتے ہیں ، (معارف الحدیث ج۴ ص ۹۷ بحوالہ ترمذی وابن ماجہ) جیسے کوئی سیٹی ہو اس کو دوسری سیٹی میں لے جاتے ہیں مثلاً کوئی سرکش آدمی ہو وہ لوگوں کو اور پبلک کو حکومت کے خلاف بہکاتا ہو تو حکومت کی طرف سے اس کو دوسری سیٹی میں بھیجد یا جاتا ہے یہاں بھی گویا یہی شکل ہے۔

نفس اپنی اصل سے شر کی طرف چلتا ہے

اور انسان کے اندر حضرتِ نفس ہے یہ جو ہیں سرکش ہے سرکش یعنی بد معاشی کرنے والا حضرت نانوتوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: نفس میں شر غالب ہیں اور وہ اصلاً برائی کی طرف چلتا ہے، خیر کی طرف اس کو لانا پڑتا ہے، اور اس کی مثال دی کہ جیسے پانی کے اندر ٹھنڈک ذاتی ہے اسی لئے جب آپ اسے گرم کرنا چاہے تو اس کو پرایمس پر رکھیئے، آگ پر رکھیئے وہ گرم، اور اتار دے تو حضرت ٹھنڈے، (خطباتِ حکیم الاسلام ج۵ ص ۱۸۲) تو نفس کو خیر پر لانا ہے تو بزرگوں کے پاس جایئے، جماعت میں جایئے، صالحین کے پاس بیٹھیئے، کتابیں دیکھیئے، اللہ اللہ کیجیئے تو وہ ٹھیک، اور اسکے بعد برائی کی طرف تو بڑی آسانی سے حضرت

تشریف لے آتے ہیں، اس میں کچھ خاص جو ہے محنت کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی ہے، لیکن خیر کی طرف لے جانے کے لئے کوشش کرنی پڑتی ہے۔

نفس مرتا نہیں ہے، سکڑتا ہے

اور جب تک اس میں اثر ہے وہ سیدھا رہے گا، اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ بعض دفعہ آدمی کسی صالح آدمی کے پاس رہتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ نفس سنبھل گیا، اور وہ بھی یہ سمجھتا ہے کہ میں سنبھل گیا، اور جہاں وہ چیزیں ہٹی تو حضرت اندر سے نکلتے ہیں، مولانا روم رحمہ اللہ نے سانپ کی مثال دی ہے نا کہ ایک آدمی تھا اسنے سانپ پکڑا اور سانپ بھی پکڑا سردی کے زمانہ میں کہیں پہاڑ پر سے پکڑ لائے جہاں وہ سکڑا ہوا تھا، یہ سمجھے مرا ہوا ہے، لانے کے بعد تماشہ شروع کیا اب جب بچے جمع ہوئے اور تماشہ چل رہا تھا دھوپ نکلی تو دھوپ کی وجہ سے اس میں حرکت پیدا ہوئی حرکت کی برکت یہ ہوئی کہ وہ بچے بھی بھاگے اور یہ حضرت بھی گھبرائے کہ یہ تو ٹیڑھا معاملہ ہے، تو وہ سمجھا تھا کہ سانپ مر گیا ہے، وہ مرا نہیں بلکہ سکڑ گیا تھا، (معارفِ مثنوی ص ۳۵۸ تا ۳۶۳) تو نفس کے اندر شر ہے اس کو جب اس کا ماحول نہیں ملتا ہے تو آدمی کو معلوم ہوتا ہے کہ میرا نفس مر گیا لیکن اسکے بعد جب اسکے مواقع اس کو ملتے ہیں تب اندر سے برکتیں ظاہر ہوتی ہیں، تب وہ حرکت میں آتا ہے، اسکو چانس مل جائے، موقعہ مل جائے پھر دیکھئے کیسے گل کھلاتا ہے، تو نفس جو ہے شر کی طرف چلنے والی چیز ہے، تو طبیعت جو ہے خواہش یعنی کھانا پینا اور یہ اقتدار وغیرہ۔

اللہ تعالیٰ نے رمضان میں دو خاص احسانات کئے کہ باہر کے دشمن کو گرفتار کر دیا اور اندر کے دشمن کو ڈھیلا کر دیا

ہاں! ایک بات یاد آئی شیطان کو تو بند کر دیا، حدیث شریف میں ہے کہ رمضان المبارک میں سرکش شیاطین کو بند کر دیا جاتا ہے (معارف الحدیث ج۴ ص ۹۷ بحوالہ ترمذی وابن ماجہ) یعنی چھوٹے موٹے تو گھومتے رہتے ہیں کلیپٹن میں، لندن میں، ہندوستان میں، باقی جو سرکش ہیں بڑے قسم کے وہ گویا مقید کر دیئے جاتے ہیں، تو ان کو تو گویا باہر گرفتار کر دیا، اور یہ اندر کا جو دشمن تھا نفس اسکو ڈھیلا کر دیا کہ کھانے کا نظام بدل دیا، پینے کا نظام بدل دیا، سونے کا نظام بدل دیا، بس اسپر گویا آبنی ہے، اور پھر جو ہے مغرب بعد خوب دبا کر کھایا تو بیس رکعت تراویح رکھدی تا کہ اسکی طبیعت خوب خوش ہو، اور عجیب وغریب معاملہ ہے اس کا، تو نفس جو ہے اس پر دباؤ ڈالا اور اس کو ڈھیلا کیا، تو وہ بہکانے والا اور ورغلانے والا جو تھا اسکو تو کیا ایک طرف، اور نفس کو دتا تھا سرکشی کرتا تھا تو اسکو تو کر دیا ڈھیلا تا کہ خدا تعالیٰ سے جوڑ اور وابستگی میں آسانی ہو سکے، تو طبعی جذبات جو ہے ان طبعی جذبات ہی کو بعض حضرات نفس سے تعبیر کرتے ہیں، تو بعض حضرات تو فرماتے ہیں کہ نفس اور قلب ایک چیز ہے، اور بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ یہ جو طبعی جذبات ہیں خواہشات جتنی ہیں اس کا طبیعت سے جوڑ ہے وہ درحقیقت نفس ہے، اور اسی لئے اسکی اسٹیم کھانے پینے سے مادی چیزوں سے تیار ہوتی ہے۔

ایک چیز جسے قرآنِ کریم نے سب سے زیادہ قسمیں کھانے کے بعد ذکر کیا ہے

قرآنِ کریم میں نفس کے بارے میں جتنی قسمیں کھائی گئی ہیں اتنی قسمیں کسی مسئلے کے باب میں نہیں کھائی گئی، پوری ''والشمس ،، آپ پڑھے تو واوقسمیہ ہیں'' والشمس وضحھا ،، سے لے کر'' ونفس وما سوھا تک ،، اسکے بعد فرمایا کہ'' فالھمھا فجورھا وتقوھا ،، اللہ تعالی نے اس میں فجور رکھا ہے، سرکشی، معصیت کی طرف چلنا، نافرمانی کی طرف جانا، حکم عدولی کرنا یہ، اور تقوی بھی اس میں رکھا ہے، دونوں کی استعداد ہیں مگر آپ غور کریں کہ تقوی بعد میں ہے، فجور پہلے ہے، سمجھے حضور! اس میں ابتداء فجور سے ہے، اور تقوی کا تذکرہ بعد میں ہے، معلوم ہوا کہ نفس شر کی طرف پہلے چلتا ہے۔

پندرہ سال تک نفس اپنی خواہشات میں رہتا ہے

اسی لئے صاحب التفسیر'' جواہرِ مکیۃ ،، کا قول بچپن میں دیکھا تھا بہت زمانہ ہوگیا، وہ لکھتے ہیں کہ پندرہ سال تک تو آدمی مکلّف نہیں ہے یعنی شریعت کا پابند نہیں ہے ویسے پابند بنانے کے لئے سات سال کا ہو تو اس کو نماز کا حکم کرے اور دس سال کا ہو تو بستر الگ کردے (تربیتِ اولاد کا اسلامی نظام ص ١٢٥ بحوالہ حاکم، ابوداؤد) وہ اور چیز ہے، مگر شرعی اعتبار سے اس پر پابندی پندرہ سال میں ہے، تو

معلوم ہوا کہ پندرہ سال تک تو نفس اپنی خواہشات میں ہے اس کا عادی ہے اب شریعت آرہی ہے، اور شریعت کے آنے کے بعد اب اسپر کنٹرول کروایا جاتا ہے، یہ مجاہدہ ہے اسکے لئے۔

شریعت کا مکلّف ہونے کے لئے عاقل اور بالغ کی شرط کیوں؟

اور اسی لئے شرط ہے کہ عاقل ہو، بالغ ہو، چونکہ پندرہ سال کے پہلے کی عقل معتبر نہیں ہے، اور بالغ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اسکے بدن میں اتنی قوت ہو کہ احکام کو برداشت کر سکے، جو عملی قوت ہے، تو عاقل ہونے میں علم کی طرف اشارہ، اور بالغ ہونے میں عمل کی قوت کی طرف اشارہ ہے، تو علم و عمل کی صلاحیت اسکی ٹھیک ہوگئی تب جاکر اس پر احکام لاگو ہوں گے، یہ شکل ہے۔

خلاصۂ کلام

تو کہنے کا منشاء یہ ہے کہ نفس جو ہے قلب سے ہٹکر ایک چیز ہے، زیادہ تحقیقی بات یہی ہے، تو قلب ایک محل و مکان ہے اور اس کا مکین درحقیقت روح ہے، اور طبیعت اور خواہشات جو ہے اس میں جو خاص جو ہر رکھا ہے وہ درحقیقت نفس ہے جو چلتا ہے شر کی طرف اور معصیت کی طرف، پھر نفس کی اور بھی کچھ دقیق دقیق بحثیں کی گئی ہیں، بہر حال، دعا کیجئے اللہ تعالی نفس کے شر سے بچائیں، اور قلب و روح کو اپنے صحیح مقام پر استعمال کرنے کی توفیق عطا فرمائیں، آمین۔

مجلس نمبر ۱۲

فلسفۂ حج

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سوال۔حضرت! کچھ حضرات کہتے ہیں کہ خلافت کا استحقاق حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تھا، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو نہیں تھا، اس پر کچھ روشنی ڈالیں۔

خلافت کا استحقاق حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تھا، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو نہیں؟

فرمایا کہ: حجۃ الاسلام حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمہ اللہ سے کسی نے یہی بات کہی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت کا استحقاق حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تھا، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو نہیں تھا۔

تو حضرت نے فرمایا کہ: ایک بات سنو! ایک استاذ ہو اور اس کے بہت سے شاگرد ہو وہ اپنے شاگردوں میں کسی کو منتخب کرے اپنی نیابت کے لئے یعنی اپنی جگہ اس کو رکھے تو استاذ کا نائب بنانا اور اس کو اپنی جگہ رکھنا اور اپنے بعد اس کو اپنا اہل قرار دینا اس کا اعتبار ہوگا، یا ایرے غیرے نتھو خیرے کوئی بھی جو کہے اس کا اعتبار ہوگا، کس کا اعتبار ہوگا؟ اس نے کہا کہ استاذ کے فیصلے کا اعتبار ہوگا۔

فرمایا کہ یہی تمہارے سوال کا جواب ہے۔

سوال۔حضرت حج کا فلسفہ بیان فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ کی تمام صفتوں کا نچوڑ دو صفتیں ہیں

فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ جل شانہ کی بہت صفات ہیں، اور ان تمام صفات کی

دوصورتیں ہیں، ایک ہے جلال دوسرے جمال۔ (ملفوظات حکیم الاسلام ص۱۱۳) یا یوں کہہ لیجئے کہ ایک صفتِ رحمت ہے اور ایک صفتِ غضب، جلال و جمال کا ایک اور مفہوم ہے کلامیات میں ''تبارک اسم ربک ذی الجلل والاکرام'' (سورۂ رحمٰن، آیت نمبر ۷۸) جلال سے مراد صفاتِ تنزیہہ، اور اکرام سے مراد صفاتِ ثبوتی، وہ ایک اصطلاحی چیز ہے، بس اتنا ذہن میں رہے سادہ لفظوں میں کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کی بہت صفات ہیں، مگر اسکی دو تقسیم کی گئی ہیں، دوصورتیں ہیں، ایک ہے اللہ تعالیٰ کی صفتِ رحمت، اور ایک ہے اللہ تعالیٰ کی صفتِ غضب۔ (مجالس خطیب الامت ج۱ص۱۶۲)

نماز اور حج دو اساسی عبادتیں ہیں

اور فرمایا کہ: اسلام کے ارکانِ اربعہ میں عقیدے کے بعد نماز، زکوۃ، روزہ، حج، ان میں بنیادی طور پر دو ہی عبادتیں ہیں، فرض تو سب ہیں، سمجھ رکھنا، ورنہ کہیں حکمت کا مسئلہ بنادے، بنیادی طور پر دو اساسی عبادتں ہیں، ایک ہے نماز، اور دوسرے ہے حج، اور زکوۃ سے نماز کی تکمیل ہوتی ہے، زکوۃ جو ہے وہ نماز کی تکمیل کے لئے ہے۔ (مجالس حکیم الاسلام ج۱ص۲۵۴) اسی لئے جہاں جہاں قرآنِ کریم میں نماز کا ذکر ہے عام طور پر زکوۃ کو نماز کے ساتھ جوڑا ہے، فرمایا ''اقیموا الصلوۃ و آتوا الزکوۃ،،(سورۂ بقرۃ، آیت نمبر ۱۱۰) اور رمضان المبارک یہ تمہید ہے حج کی یعنی اسکی تکمیل میں معین ہے، اسی لئے رمضان المبارک کا مہینہ ختم ہوتے ہی اشہرِ حج شروع ہوجاتے ہیں۔ (حوالا بالا)، ''الحج اشھر

معلومت ،،(سورۂ بقرۃ، آیت نمبر ۱۹۷) اور جنہیں معلومات نہیں ہے وہ جان لیں کہ شوال، ذیقعد، اور ذی الحج،، کے شروع کے دس دن یہ حج کے دن ہیں، (بخاری شریف ج ۱ ص ۱۲) ''**الحج اشهر معلومت**،، حج کے مہینے معلوم ہیں، تو رمضان المبارک کے ختم ہوتے ہی حج کے مہینے شروع ہو جاتے ہیں (حوالا بالا ص ۲۵۵) تو روزہ جو ہے وہ درحقیقت حج کی تمہید ہے، اصلِ عبادت دو، ویسے فرض سب ہے پھر یاد رکھنا گڑ بڑی نہ کرنا۔

یہ ہیں آسمانوں کے امام ومؤذن

یہی وجہ ہے کہ ملائکہ آسمانوں میں نماز پڑھتے ہیں کوئی رکوع میں ہیں، کوئی سجدے میں ہیں، اور بعض روایتوں میں ہے کہ نماز ہوتی ہے تو حضرتِ میکائیل امامت کراتے ہیں امام صاحب ہے حضرت میکائیل، اور حضرت جبریلِ امین اذان دیتے ہیں تو وہ بانگی صاحب (مؤذن صاحب) ہیں۔

علامہ اقبالؒ کی کتابوں کے بھی لوگوں نے بخاری کے تراجم کی طرح ربط بیان کئے ہیں

اسی لئے علامہ اقبال رحمہ اللہ نے ایک کتاب لکھی اور اس کا نام ہے ''بالِ جبریل،، انکی کتابوں میں بھی لوگوں نے بخاری کے تراجم کی طرح ربط بیان کئے ہیں، پہلے شکوی کیا، پھر جوابِ شکوی کیا، پھر اس کے بعد ''ارمغانِ حجاز،، ہے، پھر وہاں سے حکم ہوا کہ قوم کو جگانے کے لئے ''ضربِ کلیم،، ہے، اس کے

بعد پھر ادھر جاؤ تو ''بانگِ درا،، ہے، وغیرہ وغیرہ۔

فرشتے زکوۃ نہیں دیتے

تو غرض یہ کہ آسمانوں میں ملائکہ نماز پڑھتے ہیں، مگر فرشتے زکوۃ نہیں دیتے، کبھی سنا آپنے کوئی فرشتہ آیا ہو زکوۃ دینے کے لئے قاری بسم اللہ کے پاس کہ لکھو ہماری طرف سے اتنی رقم، وہاں مال ہی نہیں، زکوۃ کیا دیں گے، اور رذائل ہی نہیں ہے کہ اندر کی زکوۃ، وہ تو مزکی ہی ہیں۔

ملائکہ حج کرتے ہیں، روزہ نہیں رکھتے

اور ملائکہ حج کرتے ہیں روزہ نہیں رکھتے، حج کا مطلب یہ ہے کہ بیت المعمور کا طواف ہوتا ہے، حدیث شریف میں ہے کہ روزانہ ستر ہزار فرشتے اس کا طواف کرتے ہیں اور پھر دوبارہ ان کا ٹن نہیں لگتا۔ (صحیحین) اور حافظ ابنِ حجر عسقلانی رحمہ اللہ کی تحقیق سے معلوم ہوتا ہے یہ بخاری شریف کے شارح ہیں بہت بڑے عالم ہیں وہ لکھتے ہیں کہ بیت المعمور ہے ساتویں آسمان میں مگر ہر آسمان میں اسکی مثیل موجود ہے یعنی اس کا ایک نمونہ موجود ہے۔ (خطبات حکیم الاسلام ج ۳ ص ۴۹) اسی لئے وہ آسمانوں کا قبلہ ہے ملائکہ کا، وہاں سے کوئی رسی چھوڑے تو ٹھیک بیت اللہ شریف میں آئے گی۔ (سیرۃ المصطفی ج ۱ مجالس خطیب الامت ج ۱ ص ۴۹) حضرت نانوتوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: سات آسمان چکی کا پاٹ اور سات زمین اور بیچ کی جو کھونٹی اور چلّی ہوتی ہے وہ بیت اللہ شریف ہے، اور ملائکہ کھاتے پیتے ہے نہیں۔ (ذخیرہ معلومات ص ۲۴) اس لئے روزے کا سوال ہی نہیں

ہے کہ وہ کھانا کھائے، چائے پیئے، اگربتی جلائے (بیڑی، سگریٹ) سوال ہی نہیں پیدا ہوتا ان لوگوں کے لئے، تو جب کھانا پینا وہاں نہیں ہے تو روزے کا سوال نہیں، البتہ ان کا حج ہے۔

زکوۃ نماز کی تکمیل کے لئے ہے، اور روزہ حج کی تمہید کے لئے ہے

تو اب ٹوٹل یہ نکلا کہ عقیدے کے بعد جو چار بڑی عبادتیں ہیں، جو چار ارکان ہیں، وہ ہیں، نماز، زکوۃ، روزہ اور حج، اس میں دو بنیادی عبادتیں ہیں نماز اور حج، زکوۃ نماز کی تکمیل کے لئے اور روزہ حج کی تمہید کے لئے ہے یعنی اس سے تائید ہوتی ہے تقویت ہوتی ہے۔ (مجالس حکیم الاسلام ج ۱ ص ۲۵۴)

نماز صفتِ غضب کے مقابلے میں ہے

اچھا، اب وہ پہلی بات پر پھر آیئے کہ اللہ تعالی کی بے شمار صفات ہیں مگر اس کا ٹوٹل گویا اگر کرے تو دو صفت ہیں، رحمت اور غضب، اور نماز صفتِ غضب کے مقابلے میں ہے یعنی صفتِ غضب اور اسکی صفتِ جلال اور عظمت کا تقاضہ یہ ہے کہ بندہ اس کے سامنے پستی اختیار کرے، یہ مطلب ہے مقابلے کا، کوئی لڑائی بڑائی نہیں ہے۔

خلّلوا اصابعکم کی لا یتخللھا نار جھنم

اسی لئے نماز میں آپ دیکھیں گے، اور نماز کیا بلکہ وضو کے متعلق حدیث

شریف میں ہے کہ ’’خللوا اصابعکم کی لا یتخللها نار جهنم او کما قال ‘‘، انگلیوں کا خلال کرو تا کہ اس میں جہنم کی آگ نہ جائے۔ (دار قطنی، ص ۹۵، شمائل کبری ج ۶) اچھا! آگ جو ہے وہ اللہ تعالیٰ کے غضب کا مظہر ہے، معلوم ہوا کہ نماز سے پہلے جو وضو ہے اس میں بھی کوتاہی پر نار کی دھمکی ہے۔

یار لوگوں نے وضو کی عجیب گت بنا رکھی ہے

ارشاد فرمایا ’’ویل للاعقاب من النار ‘‘، (طحاوی شریف ج ا ص ۲۳، شمائل کبری ج ۶ ص ۱۴۴) ندا دی آپ ﷺ نے، صحابہ نے وضو کیا تھا جلدی میں ایڑیاں خشک رہ گئیں تھیں تو فرمایا کہ اس کو آگ جلائے گی، ہلاکت ہے اس کے لئے آگ میں، اب یہاں نل تیز ہوتا ہے میں دیکھتا ہوں بعضوں کو کہ نل کے نیچے پاؤں لے گئے یوں یوں کیا اور چلے آئے جیسے معلوم ہوتا ہے نانی کے گھر میں جانا ہے کہ دادی کے گھر میں جانا ہے، کوئی مسئلہ ہی نہیں، وضو کی ایسی گت بنا رکھی ہے یار لوگوں نے سمجھ میں ہی نہیں آتا دیکھ کے سر دکھ جاتا ہے، بعضوں کو تو کہتا بھی ہوں اس میں بعض تو مان جاتے ہیں کہ شکریہ، اور بعض تو میرا منہ دیکھتے ہیں ایسا جیسے کوئی پکڑ لایا ہو جنگل سے، تو بھائی پاؤں صحیح دھوئیے نماز پڑھنی ہے، ایک سیکنڈ یوں یوں کیا ہو گیا اس سے وضو صحیح نہیں ہوتا، اس کو صحیح طرح دھونے کا اہتمام ہونا چاہئے، یہ مطلب نہیں ہے کہ پانچ سات دفعہ دھوؤ، دھونا تین دفعہ ہی ہے، لیکن اگر کوئی حصہ خشک رہ گیا تو نماز نہیں ہوگی اور آگ جلائے گی اس کو

نماز کے لئے جو چیزیں ضروری ہیں اس میں کوتاہی برتنے پر اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہوتا ہے

تو وہاں دیکھئے نار کا ذکر ہے، تو ایڑیاں خشک رہے تو اسے آگ پہنچے گی، خلال نہیں کیا اور خشک رہ گیا تو آگ، اور آگ مظہرِ غضب ہے، اور لیجئے حدیث شریف میں فرمایا کہ جو لوگ عشاء کی نماز کیلئے جماعت میں حاضر نہیں ہوتے میرا جی چاہتا ہے کہ کسی سے کہوں کہ اذان دے اور کسی سے کہوں کہ وہ نماز پڑھائے، اور کچھ لکڑی جمع کروں اور جوانوں کو لے کر جاؤں ان لوگوں کے گھروں پر جو عشاء میں حاضر نہیں ہوتے ہیں تا کہ ان کے گھروں کو جلادوں۔ (معارف الحدیث، ج ۳ ص ۱۹۵، بحوالہ بخاری و مسلم) پڑھی نا حدیث شریف وہاں بھی جلانے کا ذکر ہے، خلال نہ ہونے میں جلانے کا ذکر، ٹخنے خشک ہو تو جلانے کا ذکر ہے، عشاء کی جماعت میں حاضر نہ ہو تو گھر جلانے کا ذکر، مگر وہ بچوں کا اور عورتوں کا خیال آجاتا ہے۔ (تحفۃ الالمعی، شرح سنن الترمذی ج ۱ ص ۵۴۰) معلوم ہوا کہ نماز کے پہلے جو چیز کرنی ہے اس میں کوتاہی اور کمی سے اللہ تعالیٰ کا غضب ہوتا ہے۔

نماز میں حکم ہے کہ پستی ہو

تو خدا تعالیٰ کے غضب کے مقابلے میں یہ ہے کہ طبیعت اس کے سامنے جھکے، مانے، پوری نماز میں بھی یہی کیفیت ہے، دیکھو! آدمی جب غصہ میں ہوتا ہے مگر وہ ہم لوگوں کے غصہ پر قیاس نہیں ہے، وہ ایک شان ہے اس کی، صفت اس کی، تو آدمی وہاں بالکل سکتہ میں ہوتا ہے، خاموش، اور بالکل حرکت بھی

نہیں ،تو نماز میں حکم ہے کہ پستی ہو، ہاتھ اٹھے ہیں گویا دنیا سے ہاتھ اٹھا رہے ہیں، اور گناہوں میں غرق ہیں، یا براءت ظاہر کررہے ہیں، ہاتھ بندھے ہیں نگاہیں سجدہ گاہ پہ ہیں، پاؤں تھمے ہوئے ہیں، کان قراءت کی طرف ہیں، قلب خدا تعالی کی طرف ہیں، چہرے پہ خشوع کے آثار ہیں، اسی طرح ساری حرکتیں۔

اسے لطیفہ کہہ لے، حکمت نہیں

اور ویسے لطیفہ سمجھ لو، سورج جب نکلا ہوا ہوتا ہے تو اس کا تعلق بھی ایک خاص جلال وغضب سے ہے، مظہرِ غضب ہے گویا وہ، تو ائمہ کو کہا کہ فرض پڑھے تو خاموش، اس لئے ظہر عصر میں امام صاحب چپ چاپ (خاموش) رہتے ہیں، فجر میں، مغرب میں، عشاء میں، قراءت بالجہر ہوتی ہے، اب آپ کہے کہ پھر عید کے دن اور جمعہ کے دن جہر کیوں؟ تو وہ اس لئے کہ اس دن رحمت کا غلبہ ہوتا ہے اس لئے اس میں گنجائش ہو جاتی ہے، یہ لطیفہ کہہ لیجئے ، یہ حکمت نہیں ہے، حکمت میں، لطیفہ میں، علت میں، سب میں بڑے فرق ہے، وہ علمی چیزیں ہیں، مدرسوں کی دنیا کی باتیں ہیں۔

اللہ تعالی کی صفتِ غضب کا تقاضہ یہ ہے کہ بندہ اسکے سامنے انکساری اختیار کرے

یہاں آپ موٹے موٹے لفظوں میں اتنا سمجھ لے کہ نماز کی ساری ادا، اور

نماز کا سارا نظام، اور نماز کی ساری صورت اور ہیئت جو ہے جیسے مشین کی باڈی ہوتی ہے، تو نماز کے بھی جتنے اسپیر پارٹس ہے اسکے اعضاء اس کے افعال سب میں خشیت ہے، خوف ہے، غضب، اس کی عظمت کا لحاظ ہے، انابت ہے، خشیت ہے، خشوع ہے، خضوع ہے، یہ ساری چیزیں ہیں، اللہ تعالی کی صفتِ غضب کا تقاضہ یہ ہے کہ اس کے سامنے بندہ انکساری اختیار کرے۔

حج کی ساری ادائیں عاشقانہ ہیں

اور حج جو ہے وہ اللہ تعالی کی صفتِ رحمت کے مدِّ مقابل ہے، جمال کے، اور ظاہر بات ہے کہ جہاں پر جمال کی شکل ہو یا جہاں پر رحمت کی شکل ہو اور جہاں پر آدمی خوش ہو تو وہاں پر کچھ بولتا بھی ہے، کچھ مانگتا بھی ہے، حج کی ساری ادائیں ایسی ہی ہیں کہ کہیں طواف کر رہے ہیں، تو کہیں حجر اسود کو چوم رہے ہیں، تو کہیں کنکری مار رہے ہیں، تو کہیں چلّا رہے ہیں، تو کہیں چیخ رہے ہیں، تو کہیں چل رہے ہیں، تو کہیں دوڑ رہے ہیں، کبھی یہاں ہے، تو کبھی یہاں سے وہاں ہے، کبھی صفا پر ہے، تو کبھی مروہ پر ہے، تو وہ ساری ادائیں عاشقانہ ہیں۔ (مجالس حکیم الاسلام ج ا ص ۲۵۶) صفتِ رحمت کے مقابل۔

سفرِ حج سفرِ آخرت کا مذکّر ہے

تو میرے حضرت حکیم الاسلام رحمہ اللہ نے اس کو عجیب انداز سے ذکر فرمایا، امامِ غزالی رحمہ اللہ نے بھی عجیب انداز سے اس کو ذکر فرمایا ہے، اور بھی بہت سے حضرات نے اس پر کلام کیا ہے، سب کا حاصل، سب کا کھچڑا، اور

سب کا گویا ٹوٹل سن لے، وہ یہ ہے کہ امامِ غزالی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ سفرِ حج سفرِ آخرت کا مذکر ہے اس کی یاددہانی کرارہا ہے۔ (خطبات حکیم الامت ج ۶ ص ۲۴۱) وہ لکھتے ہیں کہ جب اپنے گھر سے چلے تو سمجھ لو کہ ایک دن دنیا چھوڑنی ہے، دوست واحباب سے ملاقات ہورہی ہیں تو پہلے زمانے کے سفر تو ایسے ہی ہوتے تھے کہ آگئے تو قسمت، نہیں تو گئے، تو اس وقت یہ تصور کرے کہ دنیا سے جارہا ہوں آخری ملاقات ہے، اسکے بعد جب سواری پر سوار ہو تو یہ سوچے کہ میں جنازے پر سوار کیا گیا ہوں، اس کا استحضار ہونا چاہئے، اور احرام سے پہلے غسل کرے تو موت کے بعد جو غسل ہے اس کا استحضار کرے، اور احرام باندھتے وقت جو غیر سلا ہوا کپڑا ہے تو غیر سلا ہوا کفن ہے اس کا استحضار رکھے، اور اس سفر میں کبھی ساتھیوں کی کثرت ہوگی اور اتنی کثرت ہوگی کہ پریشان ہوجائے گا جیسے بمبئی کا صابو مسافر خانہ، تو میدانِ محشر کے ہجوم کو یاد کرے، اور کہیں اکیلے کھڑے ہیں ساتھی سب چلے گئے، کوئی ٹکٹ کیلئے، کوئی پانی کے لئے، کوئی کسی چیز کے لئے تو اگر تنہائی پیش آجائے تو قبر کی تنہائی کا استحضار ہو۔ (فضائل حج ص ۴۱، ۴۲) اور واقعۃً اس سفر میں یہ سب چیزیں پیش آئیں گی، کہیں تو بہت ہجوم ہوگا، اور کہیں یہ شکل ہے کہ اکیلا پڑ گیا۔

عاشق کو مرکب رہنے سے کوئی جوڑ نہیں ہے

اور اس کے ساتھ عجیب بات ہے کہ ہے سفر عاشقانہ (فضائل حج) اس لئے حضرت حکیم الاسلام رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ: عاشق کو مرکب رہنے سے کوئی جوڑ

نہیں ہے، عشق کی ادائیں دوسری ہوتی ہے، دنیائے عشق ہی دوسری ہے۔

حاجی لباس کا وقار بھی ختم کر دیتا ہے

اسی لئے جب یہ گھر سے نکلا ہے تو اس نے لباس کے لحاظ سے اپنا جو وقار تھا وہ بھی ختم کر دیا۔ (مجالس حکیم الاسلام ج اص ۲۵۵)

غیر سلا ہوا کپڑا اصلی حالت پر ہوتا ہے

اب آپ دیکھئے! غیر سِلا ہوا لباس فطری لباس ہے، وہ یہ ہے کہ کپڑا اپنی اصلی حالت پہ ہو، اس میں کوئی صورت نہیں ہوتی، صورت کپڑے کی بنتی ہے ہیئیت یعنی کفنی بنائی، پاجامہ بنایا، اس میں قطع و برید یعنی کانٹ چھانٹ کرنی پڑتی ہے، اور جب آپ نے اس کو سِیا نہیں ہے کپڑا اپنی اصلی حالت پر ہے، تو معلوم ہوا کہ کپڑا جب غیر سِلا ہوا ہے تو وہ اپنی فطری حالت پر ہے۔

انبیاءِ کرام علیہم السلام فطرت پر ہوتے ہیں اور ان کا لباس بھی فطری ہوتا ہے

یہی وجہ ہے کہ کفن میں لباسِ فطری ہے، اور یہی حکمت ہے کہ انبیاءِ کرام علیہم السلام کا لباس ایک لونگی اور اوپر ایک چادر گویا فطرت پر ہوتے ہیں تو لباس بھی ان کا فطری شان کا ہے، اور یہاں بھی فطری لباس اس کو پہنایا گیا، تو لباس اس کا سادہ، لباس کا وقار ختم، لباس کی شان کہ یہ ہو وہ ہو کوٹ ہو، شیروانی ہو، کرتہ ہو، کچھ بھی نہیں، بس ایک سادہ چادر ہے اور ایک لونگی ہے۔

لوگ سمجھ جاتے ہیں کہ یہ دنیائے عشق کا آدمی ہے

اور فرمایا کہ: عاشق جو ہے اس کے بول کے اندر اور اس کی بات کے اندر بھی کچھ ایسی کیفیت ہوتی ہے کہ لوگ سمجھ جاتے ہیں کہ یہ دنیائے عشق کا آدمی ہے۔

لبیک کے ذریعہ حاجی کے کلامی وقار کو بھی ختم کرایا گیا

تو کلام میں وقار تھا تو لبیک لبیک کی صدا کے ذریعہ اس وقار کو بھی ختم کرایا گیا، تو اترو تب، چڑھو تب، قافلہ ملے تب، چلّا رہے ہیں پکار رہے ہیں لبیک، لبیک، ایک ہی آواز ہے کہ حاضر ہوں میں، حاضر ہوں میں، تو لباسی وقار بھی ختم، کلام کا وقار بھی ختم، گفتگو سے بھی نہیں معلوم ہوتا کہ اس کی کوئی شان ہے، وہ تو عاشقانہ جارہے ہیں اور پکار رہے ہیں لبیک، لبیک۔

حاجی کی چال کے نظام میں بھی تبدیلی رکھی گئی

اچھا جب کلام میں اور لباس میں یہ شکل ہوگئی، تو اب اس کے بعد آدمی جو ہے متین اور سنجیدہ ہوتا ہے تو اس صورت میں اس کی چال میں تھماؤ جماؤ نہیں ہوتا، تو رمل کی شکل رکھی ہے کہ کبھی اکڑ کے چل رہے ہیں، تو کبھی سیدھے، (مجالس حکیم الاسلام ج۱ص ۲۵۶) معلوم ہوا کہ چال کے نظام میں بھی تبدیلی، تو کلام میں بھی تبدیلی، لباس میں بھی تبدیلی، چال میں بھی تبدیلی۔

یہ سب عشق کی کش مکش ہے

اور بیت اللہ تجلی گاہ ہیں تو وہاں بوسے دے رہا ہیں، چمٹ رہا ہے، تشبت بالاذکار، والتشبت بالجدار، والتزمِ الملتزم، تو یہ التزام یہ التصاق، اور یہ چمٹنے کی اور بےقراری کی کیفیت یہ سب عشق کی کش مکش ہے۔

بندوں کی تسلی کے لئے حجرِ اسود کا بوسہ رکھا گیا ہے

شاید اگر آپ کو سمجھ میں آئے تو وہ بہت لطیف اشارہ کیا ہے صاحبِ روح المعانی نے کہ جیسے کوئی شیخ اور محبوب ہو اور اس کا دستِ اقدس ہو اور دستِ اقدس کی تقبیل ہوتی ہے، تو تسلی عباد کے لئے بندوں کی تسلی کے لئے حجرِ اسود ہے کہ اس کو تقبیل کر کے گویا ادھر سے ایک قسم کا تعلق ہے، وہ واقعہ نہیں، لیکن وہ لطائف کی دنیا کی بات ہے، اگر نہ سمجھ میں آئے تو اس میں جانا بھی مت زیادہ، وہ گہری بات ہے، بہر حال! اتنا ذہن میں رہے کہ یہ دنیائے عشق کی بات ہے۔

عشق وجنون کے لئے ویرانہ پن زیادہ مناسب ہے

مگر مکہ مکرمہ جو ہے وہ شہر ہے، اور عشق وجنون کے لئے ویرانہ پن زیادہ مناسب ہے۔ (مجالس حکیم الاسلام ج۱ص۲۵۵) عاشق کو تو لوگوں سے وحشت ہوتی ہے، اس کو تو بس یہی دھن ہے کہ ؎

جی ڈھونڈھتا ہے پھر وہی فرصت کے رات دن
بیٹھے رہے تصورِ جاناں کئے ہوئے

اسی لئے فضائلِ حج میں حضرت شیخ رحمہ اللہ نے خلافِ معمول ان کی اور کتابوں میں یہ بات نہیں ہے، کثرت سے اشعار نقل کئے ہیں، کیوں؟ وہی کیفیتِ عشق ہے، تو غرض یہ کہ اس کو تنہائی چاہیئے، اور مکہ مکرمہ جو ہے شہر ہے اور اس وقت تو وہ اعلیٰ ترین شہر ہے، ایک تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا تھی اس کے لئے، پھر آج کا مکہ مکرمہ پوچھنا کیا، بلڈنگیں، عمارتیں، دنیا بھر کی رونقیں، زینتیں، غذائیں، چیزیں، بلکہ کچھ لوگوں کی چال یہ ہیں کہ کسی چیز کو دنیا میں عام کرنا ہو تو مکہ مکرمہ میں بھیجدو، یہ ان کا مرکز ہے، کوئی شر عام کرنا ہو تب بھی وہاں پہنچا دو تو وہ ہر جگہ پہنچ جائے گا، تو وہ کوشش کرتے ہیں کہ کسی بھی برائی کو پہلے اس مرکز میں بھیجیں، اب مکہ شریف شہر ہے، اور عاشق کے لئے ویرانہ پن مناسب ہے، تو وہاں کہاں اسے چین، اور عشق میں چین و قرار کہاں، وہاں تو یہ حال ہے کہ گویا ؎

دن کہیں رات کہیں صبح کہیں شام کہیں
یک جا رہتے نہیں عاشقِ بدنام کہیں

اور کوئی شخص اپنے محبوب کے خلاف کہے تو ان کا یہ حال ہوتا ہے کہ ؎

ایک ہی رٹ ہے نہیں ہے کا کہیں نام نہیں

دن کہیں رات کہیں صبح کہیں شام کہیں
یک جا رہتے نہیں عاشقِ بدنام کہیں

تو یہ شکل ہے، تو مکہ مکرمہ شہر ہے اور عشق کے لئے ویرانہ پن مناسب ہے۔

حاجی اپنی مُنٰی کو پورا کرنے کے لئے منی کا رخ کرتا ہے

تو وہاں کہاں قرار، اس لئے وہاں کو ہٹ کے چلا وہ اپنی مُنٰی اور آرزو کو پورا کرنے کے لئے منی، تو اب وہ منی کا رخ کرتا ہے۔

منیٰ قیامِ عرفات کی تمہید ہے

وہاں پہنچا تو وہ بھی جنگل ہے، وہاں جانے کے بعد بھی قرار نہیں، بلکہ منی کا قیام عرفات کی تمہید ہے، حضرت مولانا ابرار الحق صاحب ہردوئی دامت برکاتہم (نور اللہ مرقدہ) نے ایک مجلس میں بہت اچھی بات فرمائی، مجھے پسند آئی، فرمایا کہ: مکہ مکرمہ کی شہریت سے ہٹا کر اور یکسوئی کے ساتھ رہ کر یہ تمہیدِ عرفات ہے، عرفانی بات ہے، مجھے یہ بات پسند آئی۔

قیامِ عرفات میں ادھر اشارہ ہے کہ حاجی کے عشق میں معرفت کی شان موجود ہے

تو غرض یہ کہ منی میں پہنچا وہاں بھی اس کو چین نہیں، وہاں سے حضرت پہنچ گئے عرفات میں، اچھا! اب جب عرفات پہنچے تو گویا منی جانا اور عرفات جانے میں شہریت اس نے ختم کردی، یہاں سے وہاں، وہاں سے وہاں بیاباں صحرا نوردی جسے کہتے ہیں مگر عرفات میں پہنچنے کے بعد اسکے سر پر خیموں کا سایہ تھا۔ (مجالس حکیم الاسلام ج ۱ ص ۲۵۵) دن میں ٹھیرتے ہیں عرفات میں مغرب تک، اسکے بعد روانہ ہو جاتے ہیں، اور بہت سے یار لوگ پہلے ہی روانہ ہو

جاتے ہیں، تو عرفات میں خیمے وغیرہ ہوتے ہیں کتنا علاقہ ہے مگر عاشق کو بھلا قرار کہاں، اور عرفات میں ادھر بھی اشارہ ہے کہ یہ سفرِ عشق ہے، مگر یہ عاشق جو ہے وہ جاہل نہیں ہے، بلکہ حج کا فریضہ اعظم وقوفِ عرفات ہے، گویا اس کے عشق میں معرفت کی شان موجود ہے، بلکہ اساسی چیز معرفت ہے، بنیادی چیز معرفت ہے، ملا علی قاری رحمہ اللہ کی زبانی عصبۂ معرفہ پر اس کا وصول ہے، تو غرض یہ کہ وہ عرفات میں پہنچا، وہاں سارے حجابات ختم ہو گئے، آڑ، پارٹیشن لیکن خیمہ ہے۔

اللہ تعالیٰ سے اتنا قرب ہے کہ مزدلفہ کی شب میں خیموں کا حجاب بھی نہیں ہے

اس کے بعد اللہ تعالیٰ سے قرب ہوا، اور اتنا قرب ہے اتنا قرب ہے کہ مزدلفہ کی شب میں خیموں کا حجاب بھی نہیں ہے، آسمان کے تلے آ گئے اب۔ (مجالس حکیم الاسلام ج۱ ص۲۵۵) اللہ تعالیٰ کے آسمان کے تلے اس کی تانی ہوئی چھت فطری ہے، اسکے نیچے آدمی پہنچ گیا۔

عاشق کو اب بھی قرار نہیں ہے

تو گویا اس نے کلام کا وقار بھی، گفتگو کا وقار بھی، لباس کا وقار بھی اس کو ختم کیا چال کے وقار کو ختم کیا، شہریت کو ختم کیا، اور پھر یہ نہیں کہ شہر چھوڑ کے ویرانے میں یعنی جو آبادی نہیں ہے اس مقام پر قرار سے رہے، نہیں، وہاں بھی طبیعت

بے قرار ہے، اس لئے پھر منی ہے، اور منی سے عرفات ہے، اور عرفات سے پھر مزدلفہ میں رات گذار رہا ہے وہ۔

عاشق کو اسکی بے قراری کی وجہ سے ایک ایسی سہولت دی گئی جو کبھی نہیں ملی

اور اس پر عشق کا اتنا غلبہ ہو گیا اتنا غلبہ ہو گیا کہ عام اسفار میں وہ لبیک کی صدائیں ہیں اب اس کی اس بے تابانہ اور بے قراری کی کیفیت کے پیشِ نظر شریعت نے اس کو ایک ایسی چیز میں سہولت دی جو کبھی نہیں ملی، کہا کہ دو نماز جمع کرلو، ظہر عصر ادھر۔ (ابو داود ج ا ص ۱۹۱، باب صفۃ حجۃ النبی) اور مغرب عشاء ادھر۔ (بخاری شریف ج ا ص ۱۴۸) گویا اس کا عشق کا حال اتنا خراب ہے کہ اس کا سارا نظام درہم برہم ہے، کچھ اور ہی شکل اختیار کی ہوئی ہے، کہ نماز جیسی چیز کہ جس کے بارے میں حکم ہے کہ ''ان الصلوۃ کانت علی المومنین کتبا موقوتا،، (سورۃ نساء، آیت نمبر ۱۰۳) اس کا بھی یہ حال ہے کہ ظہر عصر ہو رہی ہے یہاں، اور مغرب عشاء ہو رہی ہے وہاں۔

قدرت نے اشارہ کیا کہ جانور کی قربانی تمہاری جان کی طرف سے کفایت کرے گی

اور مزدلفہ میں پہنچ کے خیمے کا معاملہ بھی ہٹ گیا، جب ساری چیزیں اس نے ترک کردی، تو اب ایک چیز رہ گئی، کلام بھی، لباس بھی، وقار بھی، منفعت بھی،

شہریت بھی، سنجیدگی بھی، جنگل کا قیام بھی، اور خیمہ بھی سب ختم، اب مسئلہ تھا جان کا، تو اتنا قرب ہوا مزدلفہ میں کہ اب بیتاب ہوکر وہ منی میں جا کر اپنی جان پیش کرنا چاہتا تھا تو قدرت نے اشارہ کیا کہ جانور کی قربانی تمہاری جان کی طرف سے کفایت کرے گی، ہم یہ سمجھ لیں گے اے حاجی! تم نے اپنی جان ہی پیش کردی، تو اب منی میں جو قربانی ہے وہ حقیقۃً جان کے قائم مقام ہے، نیابت اس کی۔ (مجالس حکیم الاسلام ج ۱ ص ۲۵۵، ۲۵۶) تو وہ منی جو دوبارہ آنا ہے تو وہ گویا درحقیقت اپنی جان کے پیش کرنے کی شکل ہے۔

حلّلک کلّ شئی الا النّساء

اور جب یہ سارے مسئلے اس نے حل کر لئے تو اللہ تعالی کی طرف سے اب اس کے لئے پھر وہی سہولت کہ "حلّلک کل شئی الا النّساء"، (دارقطنی ج ۲ ص ۲۸۲، فقہ حنفی قرآن وسنت کی روشنی میں ج ۱ ص ۴۴۳) اس کے بعد ایک فرض باقی ہے اور وہ ہے طوافِ افاضہ، اور پھر اسکے بعد دعاء کرے جو نہایہ ہے عبادت کی، یہ گویا حقیقت ہے، توسفرِ حج یہ ہے۔

حاجی صفامروہ کی سعی میں میزانِ قیامت کا استحضار کرے

اس میں امامِ غزالی رحمہ اللہ نے ایک چیز عجیب لکھی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ: بیت اللہ پہ جب پہنچے تو یہ سمجھے کہ خدا تعالی کے حضور میں حاضر ہوا ہوں، اور عرشِ اعظم کا نزولِ ازلال ہوا کہ وہ آیا، اور صفا مروہ کی سعی میں میزانِ قیامت کا استحضار کرے ترازو قائم کرنے کا، اور جب ترازو قائم ہوگی تو آدمی نیکی کے

پلڑے کو بیتابی سے دیکھے گا کہ کاش! یہ جھک جائے، کبھی نظر ادھر اور کبھی نظر ادھر تو صفا میں نیکی کے پلڑے کی طرف اشارہ ہے، اور مروہ میں اور مروہ میں بدی کی طرف اشارہ ہے، تو گویا صفا مروہ کی یہ سعی، میزانِ عمل پہ جب بے قراری ہوگی کہ کبھی نیکی کے پلڑے کو جو صفا ہے اور کبھی بدی کا پلڑا ہوگا تو اس طرف اس کی نظر جائے گی، اس کا استحضار کروایا ہے۔

حاجی کو میلین اخضرین میں دوڑا کر لسان المیزان کا استحضار کروایا جاتا ہے

اور بندے کے قلب میں اللہ تعالی نے ایک بات یہ ڈالی ہے کہ ان دو کے بیچ میں لسان المیزان ہے، وہاں والی اور ہے، تو لسان المیزان جو ہے وہ کانٹا اسکی زبان ہے تو اس پر اسکی اور زیادہ بے تابی ہوگی کہ وہ ادھر ہے یا ادھر ہے، تو بیچ میں میلینِ اخضرین میں اور زیادہ حاجی کو دوڑوایا جاتا ہے کہ وہاں سے چل کر یہاں آکر وہ اور زیادہ تیز ہو جاتا ہے، جیسے حضرتِ ہاجرہ رضی اللہ تعالی عنھا ہوئی تھی یہ شکل، تو کہنے کا منشاء یہ ہے کہ یہ اس کا استحضار کروایا ہے۔

سفرِ حج سفرِ آخرت سے بہت زیادہ مشابہت رکھتا ہے

اور وہاں کی لبیک اور وہاں کی چیخ وپکار اور وہاں کا ادراک سفرِ آخرت سے بہت زیادہ مشابہت رکھتا ہے، اور یہ سفر جیسا کہ عرض کیا سفرِ عشق ہے۔

حج کرنے سے پہلے اندر اتنی صفائی کرلے کہ وہاں جا کر ان مقامات کی جو روحانی چیزیں ہیں اس سے بھی کچھ فائدہ اٹھائے

اسی لئے بزرگوں نے لکھا ہے کہ جو حج فرض ہے وہ تو خیر فرض ہے، ورنہ حج کرنے سے پہلے اندر اتنی صفائی کرلے کہ وہاں جا کر ان مقامات کی جو باطنی چیزیں ہیں روحانی چیزیں ہیں اس سے بھی کچھ فائدہ اٹھائے۔

بیت اللہ پر ہر وقت نور کی بارش ہوتی ہے مگر جو لال پیلیوں کو گھورتے رہتے ہیں ان کو وہ نور نہیں دِکھتا ہے

بقول حضرت مولانا احمد اللہ صاحب راندیری مرحوم کہ وہ بہت سادہ سادہ بولتے تھے کہنے لگے بیت اللہ پر ہر وقت نور کی بارش ہوتی ہے دھڑ دھڑ دھڑ دھڑ دھڑ دھڑ دھڑ دھڑ دھڑ دھڑ دھڑ مگر جو لال پیلیوں کو گھورتے رہتے ہیں ان کو وہ نور نہیں دِکھتا ہے، سادہ انداز ہے، ظاہر بات ہے۔

منی کی پہاڑیاں انوار سے بھری ہوئی ہے

تو اندر کوئی صفائی کی کیفیت ہو تو پھر منی کی برکتیں حاصل ہوتی ہے، بعض عارفین فرماتے ہیں منی کی پہاڑیاں انوار سے بھری ہوئی ہے، معمولی بات نہیں ہے، اسی طرح عرفات کا میدان، اور بیت اللہ کا تو پوچھنا ہی کیا ہے تو جیسے جیسے

جس کی نظر۔

معشوق دریں جاست بیائید بیائید

اسی لئے بزرگوں نے لکھا ہے کہ نفلی حج اور نفلی عمرے کے اہتمام سے زیادہ اہتمام اس بات کا کرے کہ نفس کا تزکیہ ہو، اور اندر کی صفائی ہو تعلق مع اللہ مضبوط ہو۔

اے قوم بحج رفت کجا ئید کجائید
معشوق دریں جا ست بیائید بیائید

کہ تم حج کے لئے جارہے ہو لیکن جو نسبت کی حقیقت ہے وہ تو یہاں شیخِ محقق کے پاس موجود ہے، اور جب تم اپنے اندر وہ کیفیت پیدا کرلو پھر دیکھئے حج کا کیا مزہ ہوتا ہے، کیسی کیفیت ہوتی ہے۔

اصل چیز دل کی حضوری ہے

وہ آپ نے نہیں سنا، فضائلِ حج میں حضرت شیخ رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ ایک شخص تھے وہ منی کے بازار میں یہ آواز لگارہے تھے کہ یہ لے لو وہ لے لو، لیکن کسی اہلِ دل نے دیکھا تو معلوم ہوا کہ اس کا قلب ادھر سے ایک گھڑی کے لئے بھی غافل نہیں ہے، اور ایک شخص کو دیکھا کہ وہ غلافِ کعبہ پکڑ کر دعائیں کر رہا ہے مگر یہ کہ قلب میں دنیا ہے، غفلت ہے۔ (مرقاۃ) تو وہ شئی جو ہے وہ بڑی چیز ہے۔

رؤیتِ بیت اللہ تکمیلِ نسبت میں معین ہے

اور ''ومن یعظم شعائر الله'' (سورۂ حج، آیت نمبر ۳۲) کے تحت لکھا ہے کہ وہاں پر پورا احترام ہونا چاہیئے، اور یہ عجیب بات ہے کہ بیت اللہ شریف پر آپ دو چیزیں محسوس کریں گے، حدیث شریف میں ہے کہ بیت اللہ پر روزانہ ایک سو بیس رحمتیں نازل ہوتی ہیں؛ ساٹھ رحمتیں طواف کرنے والے پر، اور بیت اللہ میں نماز پڑھنے والے پر چالیس رحمتیں، اور بیت اللہ کو دیکھنے پر بیس رحمتیں نازل ہوتی ہیں (بیہقی، فضائلِ حج، ص:۸۲) تو اگر کوئی حج یا عمرہ کے لیے جائے اور طواف کرتے کرتے تھک گیا ہو، تو باتوں میں مشغول ہونے کے بجائے کسی کونے میں بیٹھ جائے اور اسے عظمت کے ساتھ دیکھتے رہے، تو کتابوں میں لکھا ہے کہ آپ دو کیفیتیں محسوس کریں گے، ایک تو اس کی عظمت قلب میں آئے گی اور دوسری انس اور مانوسی کی کیفیت پیدا ہوگی۔ (مجالس خطیب الامت ج ا ص ۶۷) اگر اللہ تعالیٰ کسی کو وہاں جانے کی توفیق دے تو اسے دھیان سے دیکھنا یہ دونوں چیزیں وہ محسوس کرے گا، تو اگر طواف کرتے کرتے یا پڑھتے پڑھتے تھک جائے تو گھنٹہ، آدھ گھنٹہ بیٹھ کر اسے دیکھتے رہو، کسی اور چیز میں بالکل ٹائم پاس نہیں کرنا ہے، اگر تھک گئے ہو تو اسے دیکھتے رہو، بہت سے لوگ آتے ہیں بیت اللہ میں تو میں نے دیکھا کہ اسے دیکھتے رہتے ہیں۔ تو تکمیلِ نسبت میں وہ معین ہے۔ (مجالس خطیب الامت ج ا ص ۶۷) اور وہاں کا احترام بہت زیادہ ضروری ہے جتنا زیادہ احترام ہوگا اتنا ہی نفع ہوگا۔

حجِ بیت اللہ میں مسائل کی تیاری بہت ضروری ہے

اور ایک چیز اور بھی ہے کہ اس میں مسائل کی تیاری بہت ضروری ہے، حج کے بہت مسائل ہیں، بڑے بڑے علماء کو پوچھنے کی اور کتاب دیکھنے کی ضرورت پڑتی ہے، اور وہ مقام ایسا ہے کہ وہاں حواس گم ہوجاتے ہیں، بعضوں نے صاحبِ کنز کے بارے میں کہا، اور بعضوں نے ملاعلی قاری رحمہ اللہ کے بارے میں کہا کہ انہوں نے جب طواف شروع کیا تو دائیں طرف کی بجائے بائیں طرف سے شروع کیا، تو کسی نے بتایا کہ یہ مسئلہ یوں ہے اور فلاں عالم نے اپنی کتاب میں یہ مسئلہ لکھا ہے، اور عجیب بات کہ وہ خود ہی اس کتاب کے مصنف تھے جس کتاب کا اس نے نام لیا تھا۔ (خطبات حکیم الامت ج۶ ص ۳۲۷) تو وہاں کی ہیبت سے گویا حواس گم تھے، اس لئے یہ شکل ہے۔

عشاق کے لئے پہلے مدینہ شریف کا قیام مناسب ہے، اور عباد کے لئے مکہ مکرمہ کا قیام مناسب ہے

اور مدینہ شریف کے قیام کے باب میں بھی میں عرض کردوں، اس میں علماء کی دو جماعتیں ہیں، بعض علماء ادھر گئے ہیں کہ پہلے مدینہ شریف آئے اور وہاں گویا گناہ معاف کروائیں، سفارش کی درخواست کرے اور پھر شہنشاہ کے دربار میں آئے اور بعضوں کا رخ یہ ہے کہ پہلے مکہ مکرمہ آئے، امامِ نووی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ عشاق کے لئے پہلے مدینہ شریف کا قیام مناسب ہے، اور

عباد کے لئے عابدین کے لئے مکہ مکرمہ کا قیام مناسب ہے، ہر ایک کے پاس اسکی وجہیں ہیں اپنی اپنی، وہ ذوقی چیزیں ہیں، گنجائش دونوں کی ہیں، چاہے آپ پہلے مکہ مکرمہ جائے، یا مدینہ شریف جائے۔

حجِّ مبرور کی ایک علامت

اور لکھا ہے کہ حج اور عمرہ جہاں گناہوں کو دور کرتا ہے وہیں کڑکی بھی دور کرتا ہے، دولت کا بھی باعث ہے، لیکن خالی ڈیڑیوں کا قصد کر کے نہ جائے آدمی، اور وہاں سے آنے کے بعد علماء نے لکھا ہے کہ وہ بھٹی ہے، وہاں سے آنے کے بعد اگر آخرت کی طرف رخ ہو گیا تو سمجھ لو کہ حج مبرور ہے، اور اگر آکر بگاڑ آ گیا تو بہت ڈر کی بات ہے، (خطبات حکیم الامت ج ۶ ص ۲۶۹) اس لئے وہاں سے آکر زندگی کا رخ اگر بدل گیا تو سمجھ لو کہ حج مبرور ہے، اور اگر آنے کے بعد وہی زندگی میں اگڑم بگڑم ہے یا اور زیادہ حالت ڈاؤن ہوگئی، تب تو بہت ڈر کی بات ہے کہ وہ بھٹی ہے وہاں پر اصلیت کھلتی ہے، اس لئے بڑا ڈر کا مقام بھی ہے، اور جتنا احترام وعظمت ہوگی اتنا ہی فائدہ ہوگا، ایک ایک حج میں لوگوں کو اتنا فائدہ ہوا ہے کہ پوچھو مت۔

پہلے زمانے میں حج میں جانے والوں کے لئے قانونی رکاوٹیں نہیں تھی مگر سفر بہت مشکل تھا، اب معاملہ اس کے برعکس ہے

اور حج کرنا بہت بڑی بات ہے، دیکھو! پہلے زمانے میں قانونی رکاوٹیں نہیں

تھی، اسٹیمر میں بیٹھ گئے اور وہاں کا رخ کرلیا، اپنا مشکیزہ ساتھ ہے اور کچھ چنے لے لئے، کچھ کھجوریں ساتھ لے لی، نہ پاسپورٹ کی جھنجھٹ اور نہ دوسری چیزوں کی، لیکن سفر کی تکلیفیں بہت تھیں، مکہ شریف سے مدینہ شریف جانے کے لئے دس دس دن لگتے تھے، ہمارے نانا جان نے حج کیا تو سو روپیہ لے کر گئے تھے، مگر وہ آج سے اسی (۸۰) سال پہلے کی بات ہے، اور سفر سے واپس آئے تو بالکل کالے ہوگئے تھے، اس وقت بہت شدید گرمی تھی، مگر یہ کہ ان لوگوں کے حج بھی ایسے ہوتے تھے، تو اس زمانہ میں سفر کی تکلیفیں بہت تھیں، اب سفر بہت آسان ہے یہاں سے آپ بیٹھے چند گھنٹوں میں جدہ پہنچ گئے، وہاں سے مکہ شریف بھی آدمی جلدی سے پہنچ جاتا ہے، لیکن اب قانونی رکاوٹیں اور دوسرے تماشے بہت ہیں، بہر حال، کہنے کا منشاء یہ ہے کہ اس سفر میں مشقت پیش آتی ہی ہے، تو اس کو اپنے لئے ایک سعادت سمجھے۔

حج میں خلافِ مزاج کاموں پر صبر پیدا کرنے کا ایک نسخہ

حضرت مولانا ابرار الحق صاحب ہردوئیؒ نے بہت اچھی بات کہی، فرمایا کہ: حاجیوں سے اگر تکلیف پہنچے تو سمجھ لو کہ شاہی مہمانوں سے تکلیف پیش آئی ہے اور صبر سے کام لو، اور اگر مقامی لوگوں سے تکلیف پیش آئے تو سمجھ لو کہ درباریوں سے تکلیف پہنچی ہیں، اور صبر سے کام لیں۔ (خطباتِ ابرار، ص ۲۲۴)

مقصدِ حج اپنی شان مٹانا ہے

اور دیکھیں وہاں جانے کا مقصد اپنی شان مٹانا ہے، وہاں یہ ہوگا کہ ایک

ادھر سے آئے گا اور دھکا مارے گا، دوسرا آئے گا وہ آکر یہاں پاؤں رکھے گا، چنانچہ میں اپنا واقعہ بیان کرتا ہوں جمعہ کا دن تھا اور جمعہ حج سے پہلے والا اس کے دوروز بعد حج تھا، اتنا ہجوم اتنا ہجوم اب لوگ قریب قریب کھڑے تھے جب میں سجدے میں گیا تو میرے پیچھے جو تھا اس نے میرے پیر چوڑے کر دیئے اور سر میرے پیٹ کے نیچے رکھ دیا، تو اس وقت تو بدن بھی بہت موٹا تھا وہ اچھا ہوا کہ یہاں آکر کہ گاڑی رک گئی، تو یہ سب پیش آتا ہے، کوئی پیٹھ پہ سجدہ کر رہا ہے، کوئی دھکا مار رہا ہے، کوئی کچل رہا ہے، تو سب برداشت کرنا پڑتا ہے، تو دیارِ حبیب میں ہے اس لئے باہر والوں سے پیش آئے تو سمجھو کہ یہ شاہی مہمان ہیں اور مقامی لوگوں سے تکلیف پیش آئے تو سمجھو کہ یہ درباری ہیں، تو یہ سب کچھ پیش آئے گا۔

اسی طرح میں میزابِ رحمت کے نیچے دعا کر رہا تھا اور مجھ پر ایک خاص کیفیت طاری تھی اتنے میں ایک خان صاحب آئے اور ایک دھکا لگایا اور کہا دوڑ و دوڑ واب جو دوڑ و دوڑ و شروع کیا تو بھاگم بھاگی شروع ہوگئی، تو یہ سب کچھ پیش آئے گا، تو صبر سے کام لے۔

ہم احمد آبادی ہیں

بعض مرتبہ غصہ بھی آتا ہے، بعض لوگ بھیڑ بھی جاتے ہیں، اسی لئے قرآنِ کریم میں ہے کہ ’’ولا جدال ،، چونکہ جھگڑے کی صورتیں پیش آئے گی اس لئے فرمایا کہ ’’ولا جدال فی الحج ،، ایک صاحب سنا رہے تھے کہ

عرفات سے بسیں چل رہی تھیں اس وقت بھی بہت ہجوم ہوتا ہے تو اوپر والے نیچے والوں کو لکڑی دکھا رہے تھے کہ ہم احمد آبادی ہیں احرام اترے اتنی دیر ہیں، تو وہ کہنے لگے ہم بھی دیکھ لیں گے، تو یہ احرام کیا ہوا، اور بعض لکڑی چلا رہے تھے احرام کی حالت میں، تو یہ سب ہوتا ہے۔

حج میں خاص طور سے تقوی کا حکم دیا گیا ہے

اور مختلف ملکوں کی عورتیں ہوتی ہیں اس لئے فسق سے منع کیا گیا، اور تقوی کا حکم دیا گیا، طبیعت کے خلاف باتیں پیش آتی ہیں تو لڑائی سے منع کیا گیا، اور دوسرے پارے میں حج کے متعلق جو آیتیں ہیں اور جو مضمون ہیں وہاں تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد تقوی کا ذکر ہے، اور عموماً حج زندگی میں ایک مرتبہ پیش آتا ہے، اور اس کے لئے آدمی طویل سفر کرتا ہے بندے اس کو خراب نہ کردے اس لئے بار بار تقوی کا ذکر کیا گیا ہے۔

دعا کا صرف عنوان ہوتا ہے اور اس سے مقصود کچھ اور ہوتا ہے

اور اس میں ایک چیز اور بھی ہے کہ کچھ لوگ حج میں جانے سے پہلے لوگوں سے کہتے پھرتے ہیں کہ دعا کرنا حج کا ارادہ ہے، تو دعا کرنا یہ تو ایک عنوان ہوتا ہے لیکن اصل میں یہ بتانا ہوتا ہے کہ میں حج میں جانے والا ہوں۔

بعض حاجی اپنے استقبال کے خواہشمند ہوتے ہیں

اور حج کے بعد پھر استقبال کی شکلیں ہوتی ہیں، چنانچہ بعض لوگ اس کے خواہشمند ہوتے ہیں کہ لوگ ہم کو بمبئ لینے آئے، ہمارے یہاں دھولیہ میں ایک صاحب حج سے آئے ایک شخص سے ان کے تعلقات تھے وہ ان کو بمبئ لینے کے لئے نہیں گئے تو انہوں نے ہمیشہ کے لئے ان سے تعلقات ختم کر دیئے کہ بمبئ لینے کیوں نہیں آئے، تو یہ سب چیزیں جو ہیں حج کو خراب کرنے والی ہے، وہاں سے آکر تو مٹنے والی شکل ہو، چاہے ایک آدمی بھی استقبال نہ کرے، آپ تو اس کے در پر بندہ بننے گئے تھے۔

مدار نیت پر ہے

اب لوگوں کو سفرِ حج میں زیادہ فکر اس کی ہوتی ہے کہ یہاں سے گھڑی لے جائے، اور یہ لے جائے، اور وہ لے جائے، پھر اس میں پریشانیاں بہت ہوتی ہیں، آدمی بقدرِ ضرورت پر اکتفاء کرے تو اچھا ہے، اچھا! یہاں ایک مسئلہ سن لو، بہت سے حاجی بے چارے سفرِ حج سے اپنے ساتھ کچھ چیزیں لاتے ہیں، کوئی گھڑی لایا، کوئی کپڑا لایا، کوئی کھجور لایا، دیکھو! حج سے کوئی چیز لانے میں شرعاً کوئی قباحت نہیں ہے، بلکہ حج کے زمانے میں اپنے ارکان کو ادا کر کے جائز آمدنی کے لئے اگر تجارت بھی کرتا ہے تو اس میں بھی کوئی ممانعت اور قباحت کی بات نہیں ہے، مگر اتنا ذہن میں رہے کہ مدار نیت پر ہے، اگر نیت دنیا

ہے، ایک عورت ایک ملک سے آتی تھی ہر سال آتی ہے ایک لاکھ کا مال لے جاتی ہیں اور اس کا تین لاکھ بناتی ہے، تو نیت دنیا ہو تب تو معاملہ چوپٹ ہے، ورنہ ویسے اللہ تعالیٰ نے آپ کو گنجائش دی ہے اور اقرباء کے لئے آپ کوئی چیز لے آئے تشویش میں بھی نہیں پڑے، اور خلافِ شرع معاملہ نہیں ہے تو ایک لاکھ کا بھی آپ مال لے آئیں تو کوئی حرج نہیں ہے، یہ میں اس لئے کہہ رہا ہوں کہ اکثر لوگوں کے ذہن میں یہی بات ہوتی ہے کہ حاجی اگر وہاں سے کچھ مال لے آیا تو وہ کہتے ہیں کہ یہ حج پڑھنے گئے تھے اور وہاں سے یہ سب سامان لے کر آئے، ارے بھائی! لے کر آئے تو کونسا عذاب آ گیا، آپ بھی جائیے اور لے کے آئیے، مگر شرط یہی ہے کہ نیت دنیا نہ ہو، اسی طرح شو نہ ہو، اور اس کے ساتھ بے وجہ قرض میں پڑنا نہ ہو، اسی طریقے سے تفاخر نہ ہو، اور ذہنی تشویش نہ ہو اور سارا وقت اسی میں صرف نہ ہو کہ ہر وقت بازار ہی میں گم رہے ہیں، یہ سارے پہلوؤں کو ملحوظ رکھتے ہوئے اگر کوئی آدمی کوئی چیز لے آتا ہے تو شرعاً اس میں کوئی قباحت نہیں ہے، عام ذہنوں میں یہی ہے کہ کچھ لایا تو کہیں گے کہ اب تو حاجی لوگوں میں کیا رہا ہے اس میں تو دنیا آ گئی ہے، آپ تو ماشاء اللہ بایزید بسطامی ہیں کہ بڑا نفیس تبصرہ کرتے ہیں، سمجھ میں آئی نہ بات، یعنی شو نہ ہو، بے وجہ قرضہ میں نہ پڑے، ذہنی تشویش میں نہ پڑے، ان باتوں کا خیال رکھتے ہوئے اگر کوئی شخص کوئی چیز لے آتا ہے تو اس میں شرعاً کوئی قباحت نہیں ہے، بلکہ اسکی بڑی تفصیلات ہیں، اس لئے آنکھ مینچ کے کسی پر حکم مت لگاؤ کہ

کوئی شخص بے چارہ کچھ لے آیا تو آپ نے آنکھ مینچ کر فتوی صادر فرمادیا کہ اس کا حج بے کار گیا، نہیں، لیکن شرط یہی ہے کہ نیت خالص ہو، اس میں بھی پھر کافی تفصیلات ہیں، بس اتنا ذہن میں رکھے کہ اپنی نیت خالص رکھے اور چیزیں مقصود نہ ہو صرف اللہ تعالی کی رضا اور فریضہ کی ادائیگی مقصود ہو، اس کا خاص خیال رکھے۔

ایسی عبادت سے توبہ کیجئے

ورنہ حج کر کے آنے کے بعد بھی آدمی یہ سوچے کہ میرا اکرام نہیں ہوا، امام غزالی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ رات میں کوئی تہجد پڑھے اور صبح اگر وہ اس کا خواہشمند ہو کہ لوگ میرا اکرام کرے، تو آپ اپنے تہجد کا بدلہ چاہتے ہیں، تو ایسی عبادت سے توبہ کیجئے، استغفار کیجئے، کیسی عجیب بات ہے، آپنے یہ عمل محض اپنی آخرت کے لئے کیا ہے۔

حاجی اور نمازی

اسی طرح بعضوں کو حاجی کہلانے کا اور خود کو حاجی کہنے کا بہت شوق ہوتا ہے، ایک صاحب سے پوچھا گیا کہ تمہارا نام کیا ہے تو کہا حاجی فلاں، انہوں نے کہا آپ کا نام کیا ہے تو کہا نمازی فلاں، کہا یہ کیا، تو کہا آپ نے زندگی میں ایک دفعہ حج کیا حاجی کہلانے لگے، یہاں ہم برسوں سے نماز پڑھ رہے ہیں تو نمازی کہنے میں کیا حرج ہے۔ (مکمل و مدلل مسائل حج وعمرہ، ص۳۹۲) بہر حال، نیت جو ہے وہ اصل چیز ہے، اور دیکھئے سب کچھ آخرت کے لئے ہیں، یہاں اگر شہرت

نہیں بھی ہوئی اور کوئی آپ کو حاجی صاحب نہ بھی کہے اور نہ بھی جانے تو کچھ بھی نہیں، اصل چیز اپنے کو مٹانا ہے۔

روزی حلال ہو اس کا خاص خیال رکھے

اور ایک کام کی بات اور ہے جس کو ہر آدمی اپنے طور پر ٹٹولے وہ یہ کہ اس سفر میں حلال روزی اور خرچہ کا اہتمام کرے۔ (خطبات حکیم الامت ج۶ ص ۲۵۷،۲۵۸) اگر آمدنی چوپٹ قسم کی ہے تو پھر آپ خود سوچ لیجئے کیا برکت ہوگی، اس لئے اس کا خاص خیال ہو، حقوق کا لحاظ ہو، اس لئے یہ سب سمجھنے کی چیزیں ہیں، ایسا نہیں ہے کہ اس کے پیسے دبائے، اس کے لئے، اور وہ مانگے تو کہے کہ کس کے دیئے ہیں کہ آپ کے دیں گے اور پھر حاجی صاحب ہو گئے، نہیں، ایسا نہیں ہے، اس کا خاص خیال رکھے، ناجائز آمدنی کے ساتھ آپ جائیں گے تو کیا برکت ہوگی اور اس کی تفصیلات معلوم کرنا ہو یا اس سلسلہ میں کوئی مسئلہ ہو تو عالموں سے پوچھو، آپ کے یہاں علماء موجود ہیں، مفتی حضرات موجود ہیں، حلال کے اہتمام میں تھوڑی سی تکلیفیں پیش آئے گی مگر حق تعالیٰ اس میں برکت دیں گے، اپنی نیت اچھی رکھے، اور حلال کا اہتمام ہو، اللہ تعالیٰ جو ہے وہ مالک ہیں کارساز ہیں، وہ اچھے حالات پیدا کر دیں گے، نیت کا بڑا فرق ہوتا ہے، ایسے ایسے واقعات ہوتے ہیں کہ جہاں سبب نہیں ہے وہاں سبب بن جائے گا، جہاں ذریعہ نہیں ہے وہاں ذریعہ بنے گا، اور ایسا بنے گا کہ آپ کے تصور میں بھی نہیں ہوگا، تو نیت ٹھیک ہو ورنہ کچھ نہیں، اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق

دے۔

ہر حاجی کو دعا کرنی چاہئے کہ اللہ تعالی اسے حج مبرور، عمرۂ مقبول اور زیارتِ روضۂ رسول نصیب فرمائیں

اور ہر حاجی کو دعا کرنی چاہئے کہ اللہ تعالی اس کو حجِ مبرور اور عمرۂ مقبول نصیب فرمائیں، حجِ مبرور، عمرۂ مقبول، زیارتِ روضۂ رسول، حق تعالی ان چیزوں سے ہمیں بہرور فرمائیں، آمین۔

مجلس نمبر ۱۳

ھر چیز کا اخیری زمانہ بڑا قیمتی ھوتا ھے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ہر چیز کا اخیری زمانہ بڑی برکت کا ہوتا ہے

محترم حضرات: آج رمضان المبارک کا تیسواں روزہ ہے اور اس کے ختم ہونے کا وقت قریب ہے، اور اخیری زمانہ بڑی برکت کا ہوتا ہے، اور بڑے کام کا ہوتا ہے، حدیث شریف میں ارشاد ہے حضور ﷺ کا کہ اخیری عشرہ جو ہے وہ ''عتق من النیران،، ہے۔ (بیہقی، خطبات الاحکام ص ۹۶) اس میں آگ سے گلو خلاصی ہوتی ہے، چھٹکارا ہوتا ہے، اور اللہ تعالی سے قرب ہوتا ہے، ویسے بھی امتوں میں سب سے اخیری امت حضور ﷺ کی امت ہیں، اور وہ سب سے ممتاز امت ہیں۔ (ترجمان السنۃ ج ۱ ص ۳۵۰) اپنے کمالات، اپنے خصائص، اپنی خوبیاں ان اعتبارات سے اس امت کا ایک امتیاز ہے جو اوروں کو نصیب نہیں ہو سکا مجموعی طور پر، تو امتوں میں اور امم میں سب سے آخری امت اور سب سے اکمل اور کامل امت، اسی طرح جتنی کتابیں آسمان سے نازل ہوئیں اس میں سب سے اخیر میں جو کتاب ہے قرآنِ کریم وہ سب سے جامع کتاب ہے، تمام آسمانی کتابوں میں جو علوم ہیں ان علوم کی جامع ترین کتاب قرآنِ کریم ہے، تو اخیری امت وہ سب سے کامل، اخیر میں جو کتاب ملی ہے وہ سب سے کامل، حتی کہ اخیر میں جو نبی آئے ہیں نبی کریم ﷺ وہ تمام انبیاء میں سب سے ممتاز اور سب سے اعلی اور بلند و بالا ہیں۔ (مجمع الزوائد ص ۲۷، ۲۸) جتنے کمالات اور انبیاء کو حق تعالی نے عطا فرمائیں وہ تمام نبی کریم ﷺ کی ذاتِ گرامی میں جمع

فرما دیئے ہیں۔

حسنِ یوسف، دمِ عیسی، یدِ بیضاء داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

شاعر کہتا ہے کہ گلستانِ رسالت میں جتنے پھول کھلے ہیں ان تمام کا گلدستہ نبی کریم ﷺ کی ذاتِ گرامی ہیں، تو انبیاء میں سب سے آخری نبی، رسولوں میں سب سے آخری رسول، سب سے زیادہ بلند درجہ کے اور سب سے بڑی حیثیت کے مالک، امت بھی سب سے اعلی، اور کتاب بھی سب سے بلند و بالا، اور اس کے ساتھ ساتھ جیسا کہ فضائلِ رمضان میں آپ نے سنا ہوگا کہ اخیری عشرہ جس میں بنسبت اور عشرہ کے شبِ قدر کا امکان زیادہ ہے۔ (بخاری شریف، فتح الباری ج ا ص ۱۰۷) معلوم ہوا کہ اسکی اہمیت پچھلے دو عشروں پر اور زیادہ ہے، اسی لئے اعتکاف کی مسنونیت اخیری عشرے سے متعلق ہے، تو حاصل یہ کہ رمضان المبارک کا اخیری زمانہ بھی بڑا قیمتی ہے۔

حنفیہ کے نزدیک وتر واجب ہے مگر اسکی حیثیت فرائض کی پوزیشن کی ہیں

یہی وجہ ہے کہ آپ دیکھیں گے کہ فجر سے جتنی نمازیں شروع ہوتی ہے اس اعتبار سے جو عوامی شمار ہے اس میں عشاء کی نماز اخیر میں ہے جو سترہ رکعت سمجھی جاتی ہے، اس میں بعض جو ہے غیر مؤکّد ہے اور بقیہ مؤکّد اور ضروری ہیں، تو حاصل یہ کہ اس اعتبار سے اگر دیکھا جائے تو اس میں بھی اخیر میں کثرتِ عمل کی

ایک شکل ہے، عصر، مغرب، عشاء، جلدی جلدی عمل ہے، اور اسکے ساتھ ساتھ پھر اخیر میں ایک چیز ایسی رکھدی وتر جو واجب ہے، (مظاہر حق ج ا ص ۸۱۶) جسکی حیثیت فرائض کی پوزیشن کی ہیں (ملفوظات محدث کشمیری) اس لئے کہ نمازیں جو ہیں وہ ابتداء میں دو دو رکعت فرض ہوئی تھی، اور بعد میں ان میں دو کا اضافہ ہوا، تو فجر میں دو کا اضافہ نہیں ہوا، ظہر میں ہوا، عصر میں ہوا، عشاء میں ہوا، مغرب میں نہیں ہوا، مغرب میں ایک کا اضافہ ہوا اس اعتبار سے فجر میں اضافہ نہیں، مغرب میں ایک کا اضافہ نہیں ہوا، اور حنفیہ کہتے ہیں کہ وتر واجب ہے یعنی اعتقاد کے اعتبار سے، اور فرض ہے عمل کے لحاظ سے، تو فرضِ عملی پر دلیل میں وہ یہ بات بھی پیش کرتے ہیں کہ جب دو رکعت فرض پہلے تھی اور دو کا اضافہ ہوا تو تمام نمازیں چار رکعت ہونا چاہئے، حالانکہ فجر اور مغرب میں چار نہیں ہے تو تین رکعتیں بچتی ہیں جو فرض کے دائرے کی ہیں، اور وتر فرضِ عملی ہیں اس لئے احناف یہ کہتے ہیں کہ عقیدے کے اعتبار سے تو وتر واجب ہے، مگر عملاً فرض ہیں، (ملفوظات محدث کشمیری ص ۲۶۵) اس اعتبار سے تین رکعتیں فرضِ عملی کی پوزیشن کی ہیں، لہٰذا جو تاکید عشاء میں فرض کے بعد وتر کی ہوگی وہ کسی نماز میں سنّت کی نہیں، حتّٰی کہ ظہر کے بعد کی سنّت کی بھی وہ تاکید نہیں ہے۔

سنّت کے بھی دلائل کے اعتبار سے درجات ہیں

اسی لئے محدّثین لکھتے ہیں سب سے مؤکّد سنّت فجر کی ہے (مظاہر حق ج ا ص ۷۶۱) کہ نماز کھڑی ہو جائے تب بھی حکم ہے کہ آدمی اس کو شروع کر سکتا ہے، ایک

رکعت ملنے کی امید ہو، اور بھی تفاصیل ہیں، مگر جماعت خانہ میں پڑھنا مکروہ ہے۔ (انوار الباری، ج ۱۶، فتح القدیر ج ۱ ص ۳۴۱) بہت سے لوگ مسئلہ سے واقف نہیں ہوتے ہیں تو وہ جماعت خانہ میں ہی شروع کردیتے ہیں جہاں جماعت ہورہی ہے یہ درست نہیں ہے، (زبدۃ الفقہ، کتاب الصلاۃ، ص ۱۶۷) اور اس کے بعد دوسرے نمبر کی سنّت مغرب کے بعد کی ہے سنّت مؤکّدہ، (مظاہر حق ج ۱ ص ۷۶۳) حضرتِ حسنِ بصری رحمہ اللہ تو اسکے وجوب کے قائل ہیں، (مظاہر حق ج ۱ ص ۷۶۱) اور جمہور یہی کہتے ہیں کہ سنّت ہیں، اور تیسرے نمبر پر مؤکّد ظہر کے بعد کی دو رکعت ہیں، اور چوتھے نمبر پر ظہر کے پہلے کی چار رکعات ہیں، شوافع کے یہاں دو رکعت ہیں حنفیہ کے یہاں چار ہے، اور اس کے بعد پھر نمبر عشاء کے بعد کی دو رکعت کا ہے، تو سنّت کے بھی گویا دلائل کے اعتبار سے درجات ہیں، حاصل یہ کہ اخیر میں وہاں کثرتِ عمل بھی ہے اور کثرتِ رکعات بھی اس اعتبار سے ہو جائے گی، تو معلوم ہوا کہ اخیر میں اس کا لحاظ کیا گیا۔

جمعہ کے دن حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ایک عمل

جمعہ کے دن دعا کی مقبولیت کی گھڑی میں بھی پینتالیس کے قریب تقریباً اقوال ہیں، (فتح الباری ص ۴۲۰) اس میں ایک قول یہ بھی ہے کہ اخیری گھڑی دعا کی مقبولیت کی گھڑی ہے، (فتح الباری ص ۴۲۰، شمائل کبریٰ ج ہشتم ص ۲۳۳) چنانچہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ کی چہیتی بیٹی ہے انہوں نے اپنی خادمہ سے فرمایا کہ: میں اگر کسی کام میں ہوں اور سورج غروب ہونے کا وقت قریب ہوجائے تو

مجھے خبر دیدیا کرو، وہ سارے کام کو نمٹا کر اور چھوڑ کر دعا میں مشغول ہوتی تھیں، حق تعالی کی طرف متوجہ ہوتی تھیں۔ (فتح الباری ص ۴۲۰، شمائل کبری ج ہشتم ص ۲۳۵)

تو معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک مقبولیت کی گھڑی دن کے آخری حصہ کی تھی، ویسے اور بھی اقوال ہیں۔

ہر چیز کے اخیری حصہ کو بعض جہتوں سے ایک فضیلت ہوتی ہے

تو معلوم ہوا کہ اخیری دور کو بعض جہتوں سے ایک فضیلت ہوتی ہے، یہ رمضان المبارک کا اخیری عشرہ ہے اور اخیری اوقات ہیں اور ایک سوا گھنٹہ بعد شاید یہ ختم ہو جائے، ہم کو چاہئے کہ ہم ان اوقات میں دعا کرے، حق تعالی کی طرف متوجہ ہو اور اللہ تعالی کے آگے گڑگڑا کر دعا مانگیں، دعا کرے کہ اے اللہ! ہم سے رمضان المبارک میں جتنی کوتاہیاں ہوئی ہیں اسے معاف فرما، اور آئندہ زندگی کی قدر کی توفیق عطا فرما، چونکہ وقت بہت کم ہے اور قیمتی بھی ہے اس لئے جی یہ چاہتا ہے کہ بس اسی پہ اکتفاء کرے، آپ سب حضرات بھی زیادہ سے زیادہ ذکر میں، دعا میں، اللہ تعالی کی طرف متوجہ ہوں، کچھ دیر کے بعد یہ مبارک گھڑی ختم ہو جائے گی، اور پھر نہ معلوم کب نصیب ہو۔

مجلس نمبر ١٤

دین اسلام میں بڑی رعایتیں ھیں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سحور کے مسئلے میں صوفیہ کا مسلک اور اس بارے میں قولِ فیصل

فرمایا کہ: صوفیہ کو سحور کے مسئلے میں کلام ہیں کہ وہ مقصدِ روزہ کے خلاف ہے، اس لئے کہ مقصدِ روزہ پیٹ اور شرم گاہ کی شہوت کو توڑنا ہے، اور سحری کا کھانا اس مقصد کے خلاف ہے، لیکن صحیح یہ ہے کہ مقدار میں اتنا کھانا کہ مقصد بالکلّیۃ فوت ہو جائے یہ تو بہتر نہیں ہے، اسکے علاوہ حسبِ حیثیت وضرورت مختلف ہوتا رہتا ہے، بندہ کے ناقص خیال میں اس بارے میں قولِ فیصل تو یہی ہے کہ اصل تو سحور اور افطار میں تقلیل ہے، مگر حسبِ ضرورت اس میں تغیر ہو جاتا ہے، یعنی سحری اور افطار میں اصل تو یہ ہے کہ کم کھایا جائے، مگر یہ کہ کمزوری ہے دماغی کام زیادہ ہے، یا کوئی اور مرض کی شکل ہے تو اتنا کھا سکتا ہے کہ وہ بقدرِ ہضم ہو، مثلاً طلباء کی جماعت کے ان کے لئے تقلیلِ طعام منافعِ صوم کے حاصل ہونے کے ساتھ تحصیلِ علم کی مضرّت کو شامل ہے، مثلاً رات دن جن کا کام پڑھنا پڑھانا ہے اگر وہ غذا بہت کم کر دیں گے تو ضعف ہو جائے گا، انسانی جسم اور باڈی میں ہر وقت تغیّر ہوتا رہتا ہے اور انحطاط آتا رہتا ہے اور غذا کے ذریعہ سے اس کمی کو پورا کیا جاتا ہے، اس لئے اگر زیادہ کم کر دے گا تو نقصان ہوگا، اس لئے ان کے لئے بہتر یہ ہے کہ تقلیل نہ کرے، علمِ دین کی اہمیت شریعت میں بہت زیادہ ہے، اسی طرح ذاکرین کی جماعت ہے علیٰ ہٰذا

دوسری جماعتیں جو تقلیلِ طعام کی وجہ سے دینی کام میں اہمیت کے ساتھ مشغول نہ ہوسکے سب کے لئے یہی حکم ہے۔

ہر موقعہ کا لحاظ کرنا ضروری ہے

نبی کریم ﷺ نے ایک مرتبہ اعلاءِ کلمۃ اللہ کے لئے تشریف لے جاتے ہوئے اعلان فرمایا کہ سفر میں روزہ نیکی نہیں ہے۔ (سنن ابن ماجہ شریف، حدیث نمبر ۱۶۶۴، نسائی شریف حدیث نمبر ۲۲۵۹) حالانکہ رمضان المبارک کا روزہ تھا، مگر اس کے مقابلے میں جو چیز تھی وہ اس وقت زیادہ اہمیت کی حامل تھی، یہ جو تبلیغی جماعت کے نکلنے کی شکلیں ہیں اس میں وہ مسئلہ نہیں ہے، ورنہ آپ روزہ چھوڑ دے وہ ٹھیک نہیں ہے، وہ شکل وہ تھی کہ گرمی کا زمانہ تھا اور پھر عرب کی گرمی آپ اندازہ لگائیے، اور بہت شدّت کی پیاس تھی، چنانچہ ایک موقعہ پر ایسا ہوا کہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ کچھ لوگ تھے جو روزہ دار تھے وہ ایک منزل پر ٹھہرے تو بالکل ڈھیلے ہوکر پڑ گئے، اور جو غیر روزہ دار تھے انہوں نے خیمے لگائے اور دوسرے اہم کام انجام دیئے، تو حدیث شریف میں ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ آج افطار کرنے والے سبقت لے گئے۔ (مسلم شریف، احمد، ابوداوٗد) تو شریعت نے سفر کی حالت میں روزہ چھوڑنے کی گنجائش دی تھی اور پھر سفر بھی بڑا اہم اور پھر شدّت کی گرمی لیکن اس موقعہ پہ انہوں نے اس کا تو اہتمام کیا مگر اس کا خیال نہیں کیا کہ دوسری چیزوں پہ ضرر پڑے گا۔

حاجی کے لئے عرفہ کا روزہ مستحب نہیں ہے

جیسے مثلاً عرفہ کا روزہ ہے، تو اسکے باب میں فقہاء لکھتے ہیں کہ حاجی وہ روزہ نہ رکھے اس لئے کہ دن میں دعاؤں کی اور وقوف کرنے کی اور اِدھر اُدھر آنا جانا پڑتا ہے اور ہجوم کی شکل ہے، تو وہ جو مشغولی ہے تو مشقّتِ روزہ سے اس پر اثر پڑتا ہے، ویسے وہ روزہ غیر حاجی کے لئے مستحب ہے۔ (شرح مسلم للنووی ج ۷ ص ۴۱۱) مگر حاجی کے لئے اس لئے مستحب نہیں ہے کہ روزہ سے اس کے اعمال پر زد پڑتی ہے۔ (شرح مسلم للنووی ج ۷ ص ۴۱۱) کوئی آدمی بہت ہی قوی ہو تو الگ بات ہے باقی یہ کہ مسئلہ یہ ہے، اس سے یہ معلوم ہوا کہ اسلام میں ہر چیز کا لحاظ ہے۔

دینِ اسلام میں بڑی رعایتیں ہیں

اسی لئے بعض لوگ بہت زیادہ پڑھ لیتے ہیں اور دماغ میں گرمی خشکی ہو جاتی ہے، جیسے ذکر کرلیا اور اتنا ذکر کرلیا کہ دماغ جو ہے وہ گرم ہو گیا، کوئی بیماری پیدا ہو گئی، تو کوئی بھی کام لیمیڈ سے اور برداشت سے باہر ہو وہ صحیح نہیں ہے، حدیث شریف میں واقعہ آتا ہے کہ ایک مرتبہ آپ ﷺ کے گھر تین صحابی تشریف لائیں اور انہوں نے آپ کی ازواجِ مطہّرات آپ ﷺ کا رات کا معمول معلوم کیا، انہیں بتایا گیا، انہوں نے اسے سنکر کہا کہ حضور ﷺ کے تو اگلے پچھلے سب گناہ معاف ہیں، ایک نے کہا کہ میں کبھی بھی افطار نہیں کروں گا، ہمیشہ روزہ رکھوں گا، دوسرے نے کہا میں کبھی رات میں سوؤں گا نہیں، ہمیشہ شب بیداری کروں گا، تیسرے صحابی تھے انہوں نے کہا کہ میں کبھی نکاح نہیں کروں گا،

ہر وقت عبادت کروں گا، بات آئی گئی ہوگئی، حضور ﷺ تشریف لائے، آپ کو علم ہوا تو آپ نے ان تینوں کو تنبیہ کی، اور فرمایا کہ دیکھو! تم میں سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے خوف رکھنے والا اور تقویٰ رکھنے والا میں ہوں، اور حکم دیا کہ قیام بھی کرو تا کہ رب کا حکم ادا ہو، سوؤں بھی تا کہ نفس کا حق ادا ہو، روزہ بھی رکھو، اور روزہ ترک بھی کرو۔ (بخاری شریف کتاب النکاح، ریاض الصالحین حدیث نمبر ۱۴۳) ہمیشہ روزہ رکھنا یہ ضعف کا باعث ہوجائے گا، تو اسلام میں بڑی رعایتیں ہیں، اور بڑا لحاظ ہے۔

یہ اسلامی حکم نہیں، لوگوں کی نادانی ہے

لوگ اپنی نادانی سے نفلی عبادتوں میں گڑبڑی کرڈالتے ہیں پھر اس میں جو ہے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ شرعی مسئلہ یہ ہے، اور اسلام کے احکام پر اس سے اثر پڑتا ہے، لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ حکم اس قسم کا ہے، ایسا نہیں ہے، یہ لوگوں کی نادانی ہے، اسلامی حکم نہیں ہے، نبی کریم ﷺ کی لائی ہوئی شریعت میں بڑی رعایتیں ہیں، اور بڑا لحاظ ہے، طبیعتوں کا لحاظ، اوقات کا لحاظ، حالات کا لحاظ اس لئے نفلی طاعتوں میں سب کو سمجھنا ہوگا، ورنہ اگر آپنے بہت سارا ذکر کرلیا اور بہت سارے نفلی روزے رکھ لئے، تو اسکی وجہ سے قوّتیں فوت ہوجائے گی۔

جناب! یہ تعریف نہیں، شکوٰی ہے

اب آپ دیکھئے! ایک عورت تھی وہ ایک قاضی صاحب کے پاس آئی، ایک عالم صاحب قاضی صاحب کے پاس بیٹھے تھے، قاضی صاحب نے پوچھا کیوں

آئی؟ کہا ایک کام ہے، پوچھا کیا کام ہے، کہا کچھ نہیں، بس اپنے شوہر کا حال بیان کرنا ہے کہ بے چارے بڑے اچھے آدمی ہے، رات بھر نمازیں ہی پڑھتے رہتے ہیں، اور دن میں روزہ ہی رکھتے رہتے ہیں، تو وہ جو عالم تھے ان کو بڑا تعجب ہوا، وہ سادہ علم ہوگا بے چاروں کا، تو قاضی صاحب نے کہا کہ آپ تو سمجھ رہے ہیں کہ یہ عورت اپنے شوہر کی تعریف بیان کر رہی ہے، مگر دوسرے لفظوں میں وہ شکایت کر رہی ہے کہ میرا حق ادا نہیں کرتے، جب مصلی ہی سے ان کا تعلق ہے اور اس طرف روزہ سے تعلق، تو آپ دیکھئے، نماز تو ہے نفل اور بیوی کا حق واجب ہے، معلوم ہوا اس موقعہ پر یہ بھی ضروری، ہر شئی کا ایک مقام ہے، دیکھئے، نماز پسندیدہ ہے مگر مکروہ وقت میں وہ بھی منع ہے، اصل یہ ہے کہ جس موقعہ پر اللہ تعالیٰ جو حکم دیں اس کا لحاظ ضروری ہے۔

صحت کا لحاظ بھی شرعاً فرض ہے
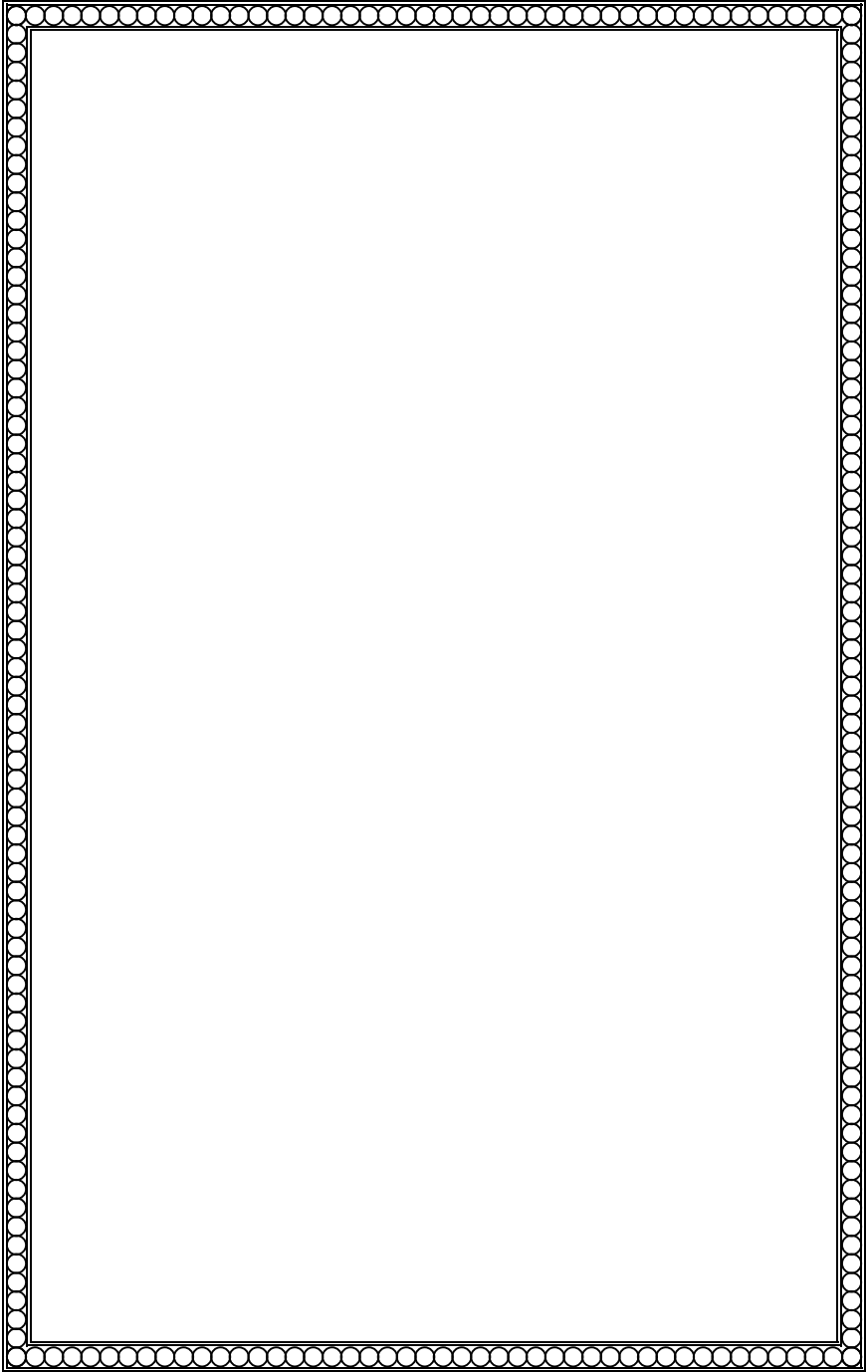
اسی لئے صحت کا لحاظ بھی شرعاً فرض ہے، (طب نبوی) حضرت اقدس تھانوی رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ: میں سر میں تیل لگاتا ہوں، سر میں مالش کرواتا ہوں تو اس نیّت سے کہ دماغ حق تعالیٰ کی دی ہوئی ایک مشین ہے اور وہ مشین حق تعالیٰ نے ہمیں استعمال کرنے کے لئے دی ہوئی ہے، اس میں تیل کا ڈالنا یہ ضروری ہے۔ (مواعظ درد محبت ص ۳۷۳) ورنہ جیسے کسی چیز میں گِریس ختم ہو جائے تو وہ کھڑ کھڑ کرتی ہے، تو اسی طرح کھوپڑی بھی بعض دفعہ کھڑ کھڑ کرتی ہے، پھر جھگڑے ہوتے ہیں، لڑائی ہوتی ہیں، لوگ کہتے ہیں کہ اسکی کھوپڑی بہت

گرم ہے، بات یہ ہے کہ اس میں تیل نہیں پڑتا، اور اس کی صحیح نگہداشت نہیں کی جاتی، یہ جو ڈاکٹر لوگ کہتے ہیں کہ سر میں تیل لگائے اسکی مالش کرے تو تیل اندر نہیں پہنچتا، ہم کہتے ہیں کہ اگر تیل نہ بھی پہنچتا ہو تو اثر پہنچتا ہے، آپ کہے اثر کیسے؟ ایک پتّھر ہوتا ہے اس کو اگر گلے میں باندھ دے تو قلب کے لئے مفید ہے، حالانکہ پتھر اندر نہیں گیا، اور ہم یہ کہتے ہیں لاکھوں ڈاکٹر ایک طرف نبی کریم ﷺ کثرت سے تیل استعمال فرماتے تھے۔

آپ ﷺ بہت صاف شفّاف رہتے تھے

علّامہ ابنِ جوزی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ آپ ﷺ کا وہ کپڑا جو خاص تیل کے لئے تھا ایسا ہو جاتا تھا جیسے تیلی کا کپڑا ہو۔ (اسوۂ رسول اکرم ص۱۳۴، بحوالہ شمائل ترمذی، زاد المعاد) وہ الگ ایک کپڑا تھا مستقل، ویسے آپ بہت صاف شفّاف رہتے تھے میلے کچیلے نہیں رہتے تھے، بہت صاف شفّاف رہتے تھے، اور صفائی کا آپ بہت زیادہ لحاظ فرماتے تھے۔ (سنن ابن ماجہ شریف مترجم ج۱ ص۶۰۲) معلوم ہوا کہ جب پیغمبر نے کثرت سے تیل استعمال کیا ہے تو آج کل وہ جو ایک سلسلہ چلا ہے کہ جسے دیکھو وہ بھوت بنا ہوا ہے، نہ تیل لگانے کا سوال، نہ کنگھی کرنے کا سوال، تو اسلام میں ہر چیز کے حکم کا ایک طریقہ اور اسکی ایک تفصیل موجود ہے۔

نوٹ: اس مجلس کی پوری ریکارڈنگ نہیں مل سکی، اس کا اتنا ہی حصہ مل سکا افادۂ عام کے پیشِ نظر اس کو بھی نقل کر دیا گیا ہے۔

مجلس نمبر ۱۵

روحانی بیماریوں میں حب جاہ سب سے خطرناک بیماری ہے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جو حماقت میں نے بچپن میں کی تھی

اس میں بڑے بڑے لوگ مبتلا ہے

فرمایا کہ: ایک فلسفی کہتا ہے کہ: میرا ایک دوست سیٹی لے آیا، اور اس نے وہ سیٹی بجائی اسکی آواز بہت اچھی تھی، تو میں نے بھی اپنی ماں سے پیسے لئے اور سیٹی خرید لایا، میں بہت خوش تھا، ماں نے، باپ نے، بھائی نے، پوچھا کتنے کی لایا، میں نے قیمت بتائی تو انہوں نے کہا تم نے بیوقوفی کی، تم نے اس کے زیادہ پیسے دیئے، پیسے زیادہ خرچ کئے تم نے، وہ کہتا ہیں مجھے بہت صدمہ ہوا اور میری ساری خوشی پہ پانی پھر گیا، لیکن جب میں بڑا ہوا اور میں نے دنیا پہ نظر ڈالی تو مجھے یہ اندازہ ہوا کہ میں نے بچپن میں جو بیوقوفی کی تھی اس میں بڑے بڑے لوگ مبتلا ہے، پوچھا گیا کیا مطلب اس کا، کہا سیٹی کی حقیقت یہ ہے کہ اس سے آواز نکلتی ہے، تو آدمی چاہتا ہے کہ میری شہرت ہو، میرا تذکرہ ہو، میری آواز ہو، جو حماقت میں نے بچپن میں کی تھی وہی حماقت دنیا کر رہی ہے، اسکے لئے سب کچھ صرف کر دیتی ہے، دین بھی ترک کر دیتی ہے، پیسے بھی کھوتی ہے کہ میرا نام ہو، میرا تذکرہ ہو، میری شہرت ہو۔

ہمارے اسلاف ناموری سے ڈرتے تھے، آج ہم ناموری کے پیچھے بھاگتے ہیں

اسی لئے امامِ یافعی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ شہر ابنِ حوشب رحمہ اللہ ایک شخص

ہے رجالِ حدیث میں سے، تو وہ رو رہے تھے، کسی نے وجہ پوچھی تو فرمایا کہ: میرا تذکرہ شہر کی جامع مسجد تک پہنچ گیا ہے یعنی اتنی شہرت ہوئی کہ جامع مسجد میں میرا تذکرہ ہونے لگا، تو وہ اس پر رو رہے تھے، تو وہ شہرت کے ضرر سے بھی ڈرتے تھے کہ کہیں عجب نہ پیدا ہو جائے، کبر نہ پیدا ہو جائے، کیونکہ شہرت میں مضرتیں بھی ہیں اور مذمّتیں بھی ہیں، اور گمنامی میں بڑے فوائد ہیں۔

بعض فوائد شہرت میں بھی ہیں

اور بعض فوائد شہرت میں ہیں، اگر آدمی کو اپنی معرفت ہو اور حقیقت کُھل جائے تو پھر مشرق سے مغرب تک لوگ نعرے لگائیں تب بھی کچھ نہیں ہوتا کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ اسکی حقیقت کچھ بھی نہیں ہے، تو کچھ تبدیلی نہیں ہوتی ہے، ایک شخص فاسق فاجر ہے اس کو ساری دنیا کچھ اور کہتی ہیں وہ کہا کرے، حقیقت نہیں بدلتی۔

مقبولیت وہ معتبر ہے جو خواص سے عوام میں چلے

اور مقبولیت وہ معتبر ہے جو خواص سے عوام میں چلے، عوام کی مقبولیت معتبر نہیں ہے، حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی بندے سے محبت فرماتے ہیں تو جبرئیلِ امین سے کہتے ہیں کہ میں فلاں بندے سے محبت کرتا ہوں تم بھی اس سے محبت رکھو، اور پھر آسمان میں ندا کردی جاتی ہے تو اہلِ آسمان اس سے محبت فرماتے ہیں، اور پھر اس کے لئے زمین میں مقبولیت رکھدی جاتی ہیں۔ (بخاری شریف کتاب بدء الوحی، باب ذکر الملائکہ، ریاض الصالحین حدیث نمبر ۳۸۷)

تو خواص سے چل کر عوام میں آئے وہ عزّت ومقبولیت معتبر ہے، عوام سے چل کر خواص میں وہ کوئی چیز نہیں ہے، اور عوام کا اعتبار بھی نہیں ہے، تو اصل تو یہی ہے۔

پروپیگنڈہ کی بنیاد پر کسی بزرگ کو مخدوش کیا جائے تو اس پر کوئی زد نہیں پڑتی ہے

اس لئے یہ بھی لکھا ہے کہ پروپیگنڈہ کی بنیاد پر کسی بزرگ کو مخدوش کیا جائے تو اس پر کوئی زد بھی نہیں پڑتی ہے، اگر اللہ تعالی سے اسکے معاملات صحیح ہے تو۔

زبانِ خلق کو نقّارۂ خدا سمجھو

تو قطع نظر اور عوارض کے حالتِ اصل میں زبانِ خلق کو نقّارۂ خدا سمجھو، کہ گویا ”انتم شهداء فی الارض“، مگر کسی عارض کی وجہ سے کوئی اور چیز پیش آجائے تو اس کا حکم اور ہوگا۔

شہرت ہوائی فائرنگ ہے

تو بہرحال! وہ فلسفی یہ کہتا ہے کہ جو نادانی میں نے بچپن میں کی تھی کہ سیٹی کے لئے رقم خرچ کی اور سیٹی کی حقیقت آواز ہے، اور شہرت میں بھی تذکرہ ہی ہوتا ہے جو ایک قسم کی ہوا ہی ہے جو منہ سے نکلتی ہے، تو گویا ہوائی فائرنگ ہے یہ، یا خیالی چیز ہے، اور خیال بھی ایسا کہ آدمی کو بڑا بننے کا جو شوق ہوتا ہے وہ صرف خیال ہوتا ہے اور خیال بھی اپنا نہیں دوسروں کا، خود اپنے خیال پہ آدمی کو

قدرت نہیں ہوتی، کہتا ہے کہ اگر خیال آتا تو فلاں کام کر لیتا لیکن خیال ہی نہیں رہا، فلاں بات ہو جاتی تو اچھا تھا لیکن خیال ہی نہیں رہا، تو خیال پر بنیاد اور خیال بھی اپنا نہیں اپنا جو ہے وہ بے قابو ہے اور یہاں تو دوسروں کا خیال کہ لوگوں کے خیال میں میری توقیر ہوگی، یہ جو رسمی عزّتیں ہیں اور جاہ کے جھگڑے ہیں وہ سب خیالی چیزیں ہیں، الفاظ اور ہوائی چیزیں ہے، تو وہ فلسفی کہتا ہے کہ میں نے جو حماقت بچپن میں کی وہی حماقت خدا جانے کتنے عقلمند دنیا میں کر رہے ہیں، چنانچہ لیڈر شِپ جو ہوتی ہے اسکی حقیقت یہی ہوتی ہے کہ چند دن کے لئے بڑائی نصیب ہو جائے۔

دو ہی بنیاد ہیں جھگڑے کی

تو دو ہی بنیاد ہیں جھگڑے کی، آگے سے پیٹ ہے، اور پیچھے سُرین ہے، اور پیچھے سُرین اور دُبُر کا تعلق کرسی سے ہے اور پیٹ کا تعلق کھانے سے ہے، تو مال کا مسئلہ نکلا اور جاہ کا مسئلہ نکلا۔

مال کا مرض ایسا ہے جیسے ٹیبی
اور جاہ کا مرض ایسا ہے جیسے کینسر

اور مال کا مرض ایسا ہے محبت مال جیسے ٹیبی، اور جاہ کا اور پوزیشن کا مرض ایسا ہے جیسے کینسر، اور ٹیبی سے کینسر زیادہ خطرناک ہے، اس لئے جاہ کا مسئلہ مال سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔

حبِّ جاہ حبِّ مال سے زیادہ خطرناک ہے

اسی لئے امامِ غزالی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ بعض لوگ تو مال کے طالب ہوتے ہیں، اور بعض لوگ جاہ کے طالب ہوتے ہیں، تو جو جاہ کے طالب ہیں وہ لوگوں کے مال پر قبضہ کرنے کی بجائے لوگوں کے دلوں پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں، یہ زیادہ خطرناک ہیں، کہ یہ تو طالبِ مال ہے، اور وہ طالبِ پوزیشن ہے اور قلوب پر متصرِّف ہونا چاہتا ہے، تو دونوں کے دونوں درحقیقت بڑے مرض ہیں۔

حیثیتوں کی وجہ سے احکام میں فرق ہو جاتا ہے

اور انہیں کو حدود میں رکھا جائے تو وہی جاہ جو ہے وقار بن جائے گی، اور یہی حرص اگر صحیح رُخ پر ہو تو اُس صورت میں وہ طیّب اور کسبِ حلال کی شکل میں سامنے آئے گی تو وہ بھی مطلوب ہے، تو حیثیتوں کی وجہ سے پھر احکام میں فرق ہونے لگے گا۔

سوال: حضرت! دین کی سلامتی کس میں ہیں؟

دین، بدن، اور روح کی سلامتی کے اسباب

جواب: فرمایا کہ: شیخ یحییٰ منیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: بدن کی سلامتی کم کھانے میں ہے، اور دین کی سلامتی لوگوں سے کم ملنے میں ہے، اور روح کی سلامتی نبی کریم ﷺ پر کثرت سے درود شریف پڑھنے میں ہے۔

مجلس نمبر ۱۶

موت انسانوں کا کھیل بناتی بھی ہے اور بگاڑتی بھی ہے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

موت انسانوں کا کھیل بناتی بھی ہے اور بگاڑتی بھی ہے

فرمایا کہ: انسان اِس عالم میں دواماً مقیم نہیں ہے بلکہ اُسے اِس عالم سے عالمِ برزخ کے اندر جانا ہے اور سفر کرنا ہے، اور اسکی سیڑھی اور زینہ موت ہے، موت درحقیقت انسانوں کا کھیل بناتی بھی ہے اور بگاڑتی بھی ہے، جن کی زندگیاں صحیح گذری ہیں موت ان کے حق میں ان کا کھیل بننے اور کام بننے کا ذریعہ بن جاتی ہے، اور جن کی زندگی خواہشات کے پیچھے رہی اور اسی میں صرف ہوئی تو موت ان کے لئے واقعی سامانِ موت ہے، اور پریشانی کا سامان ہے۔

خاتمہ کی حقیقت

اور انسان کا اس دنیا سے جاتے ہوئے جو آخری وقت ہوتا ہے وہ بڑا نازک ہوتا ہے، اس میں شیطان کی کوششیں الگ ہوتی ہے، وہ چاہتا ہے کہ راہ سے ہٹادے، اور اس طرف آدمی کشمکش میں ہوتا ہے، اسی لئے اس حالت کو خاتمہ سے تعبیر کرتے ہیں، خاتمہ کی حقیقت یہ ہے کہ گویا اس پر مہر لگ گئی، تو اس آخری حالت میں اگر کفر اندر ہے تو وہ کفر دائم سمجھا جائے گا اور وہ ہمیشہ کے عذاب کا مستحق ہوگا، اور راس آخری گھڑی میں ایمان ہے تو دائمی طور پر وہ مومن ہے اور وہ ہمیشہ کی جنّت کا مستحق ہوگا، اسی لئے کتابوں میں لکھا ہے کہ کافر وہ ہے جس کا خاتمہ کفر پر ہو، اور مومن وہ ہے جس کا خاتمہ ایمان پر ہو، چونکہ

مؤمن اگر ایمان چھوڑ دے تو وہ حقیقۃً مومن نہیں ہے، کیونکہ اعتبار انجام کا ہے، اور کافر کفر چھوڑ کے مؤمن ہو جائے تو وہ کافر نہیں ہے کیونکہ اعتبار اور انجام خاتمہ کا ہے۔

طولِ امل انسان کے لئے آخرت کی طرف متوجہ ہونے سے مانع بنتی ہے

تو موت کی تیاری اور موت کے مابعد کی تیاری یہ بہت بڑی چیز ہے، اسی لئے نبی کریم ﷺ نے اس کو دانائی کی علامت قرار دیا، مگر حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ طولِ امل اور لمبی لمبی آرزوئیں اور امیدیں انسان کے لئے آخرت کی طرف متوجہ ہونے سے مانع بنتی ہے، اور ہوتا بھی یہی ہے کہ انسان کی زندگی بڑی محدود، اور اسکی امیدیں اور آرزوئیں بڑی لامحدود ہیں، ایک مرتبہ آپ ﷺ نے تفہیم فرمائی اور مثال دے کر سمجھایا آپ ﷺ نے ایک مربّع چورس خط بنایا کچھ لمبائی مائل، اور اس کے بیچ میں ایک لمبی لائن بنائی، اور لکیروں کے اطراف میں چھوٹی چھوٹی لکیریں بنائی، اور وہ لائن جو ہے اس مربّع لائن سے باہر تک نکلی ہوئی ہے، پھر حضور ﷺ نے فرمایا کہ یہ چاروں لائنیں انسان کے حق میں اسکی موت ہے محیط ہے کہ انسان موت میں گِرا ہوا ہے، اور بیچ کی چھوٹی چھوٹی لکیریں وہ حالات ہیں۔ (بخاری شریف، کتاب الرقاق، باب فی الامل وطولہ، ریاض الصالحین حدیث نمبر ۵۷۷) کہ ایک مصیبت سے بچا تو دوسری مصیبت

میں، دوسری سے بچا تو تیسری مصیبت میں، تیسری سے بچا تو چوتھی مصیبت میں، اور نتیجۃً بعض روایتوں میں ہے کہ بڑھاپا تو ہے ہی صحیح، اور پھر اس کو موت آنی ہے، تو موت تو انسان کو ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہیں، اور وہ جو لمبی لکیر آگے تک گئی ہوئی ہے وہ اس کی آرزوئیں، اور امیدیں ہیں، اسکی تمنّائیں ہیں، کہ انسان امیدیں اور آرزوئیں اپنی زندگی سے زیادہ کرتا ہے، اور اتنی زیادہ تمنائیں ہوتی ہیں کہ جہاں تک اس کی رسائی نہیں ہوتی ہے، اسی لئے نبی کریم ﷺ نے مثال دے کر فرمایا کہ دوستون ہو قریب اور ایک اسکے بعد ستون ہو، تو یہ دوستون اسکی موت ہے، اور اسکے بعد جو ہے وہ اسکی آرزوئیں ہیں۔ (بخاری شریف کتاب الرقاق باب فی الامل وطولہ، ریاض الصالحین حدیث نمبر ۵۷۶) اسکی شکل یہ ہے کہ پہلے انسان، اسکے بعد موت، اور اسکے بعد پھر امیدیں۔

ملک الموت نے کہا دنیا کا ہر حادثہ اور ہر بیماری ہماری آمد کی ایک خبر ہے

تو بعض دفعہ آدمی اپنی تمناؤں تک نہیں پہنچ پاتا کہ بیچ میں موت آجاتی ہے۔ اسی لئے مَثَل مشہور ہے کہ ؎

آگاہ اپنی موت سے کوئی بشر نہیں
سامان سو برس کا کل کی خبر نہیں

اور حق یہ ہے کہ پل کی خبر نہیں، کہ تھوڑی دیر کے بعد کیا ہوگا کچھ نہیں کہا جا سکتا

ہے، اوراس عالم میں لمبی امیدوں کو منقطع کرنے کے لئے تنبیہات کی شکلیں بھی ہیں۔

اسی لئے پچھلے زمانے کے کسی نبی نے یا کسی صالح شخص نے ملک الموت سے پوچھا کہ آپ تشریف لاتے ہیں تو آمد سے پہلے خبر دیدیا کرے تو بڑا اچھا ہو، اچانک آپ کی آمد ہو جاتی ہے، ایک دم سے گویا آپڑتے ہیں، آنے سے پہلے کوئی خط آجائے، خبر آجائے تو اچھا ہو، تو ملک الموت نے کہا ہم دنیا میں آتے ہیں تو آنے سے پہلے کئی خطوط لکھتے ہیں، اور اُن خطوط کے بعد پھر لفافہ بھیجتے ہے، اور لفافہ کے بعد پھر اخیر میں ہمارا ٹیلی گرام بھی آتا ہے، اور پھر ہم پہنچتے ہیں، ہم ویسے نہیں آتے، تو انہوں نے ملک الموت سے پوچھا کہ آخر اس کا کیا مطلب ہے؟ کہا کہ دنیا کا ہر حادثہ، اور ہر بیماری وہ ہماری آمد کی ایک خبر ہے، ایک خط ہے، گویا بیمار ہو جائے، کوئی حادثہ پیش آجائے تو وہ درحقیقت ہماری آمد کی خبریں ہیں اور خطوط ہیں ہماری طرف سے۔

ڈاڑھی کے بالوں میں سفیدی کو ہمارے خط کا لفافہ سمجھ لیا جائے

اوراس کے بعد کہولت کی جو شکل ہے کہ جس میں ڈاڑھی کے بالوں میں اور سر کے بالوں میں سفیدی شروع ہو جائے اور بڑھاپے کا آغاز تو اس کو لفافہ سمجھ لیا جائے۔

بڑھاپا ہماری طرف سے ٹیلی گرام ہے

اوراخیر میں ہماری طرف سے ٹیلی گرام آتا ہے وہ درحقیقت بڑھاپا ہے۔ (ارشادات اکابرص ۱۰۸،۱۰۹) کہ اسکی صورت یہ ہے کہ آنکھوں میں بینائی نہیں رہتی، کانوں میں شُنوائی نہیں رہتی، منہ میں گویائی نہیں ہوتی، منہ میں دانت، نہ پیٹ میں آنت، چہرے پہ جھرّیاں پڑ جاتی ہے، شباب دیکھوتو نہایت چمک دمک زرق برق ہے، اور بڑھاپے کی کیفیت دیکھوتو معلوم ہوتا ہے کہ عجیب ھیلولہ بنایا ہوا ہے آدمی نے کہ بالوں کی دنیا الگ ہے، اوراس طرف آنکھوں کی دنیا الگ ہے، کمر سیدھی تھی وہ ٹیڑھی ہوچکی ہے، ایک بڑے میاں تھے ان کی کمر ٹیڑھی ہوچکی تھی، ایک نوجوان کوشرارت سوجھی اسنے بڑے میاں سے کہا، کیا تلاش کر رہے ہو، انہوں نے کہا جوانی کھوگئی ہے اس کو تلاش کر رہا ہوں۔ (خطبات احتشام الحق) اس لئے کہ جوانی جو ہے وہ گم ہوگئی ہے تو اس کو جھک کر تلاش کرر ہاہوں۔

جوجوان اپنی جوانی ٹھیک گزارتا ہے اس کا بڑھاپا اچھا گزرتا ہے

وہ ایک شعر میں سنایا کرتا ہوں بڑا اچھا ہے، شاعر کہتا ہے ۔

نیکی میں جس بشر کی جوانی گزر گئی
یہ سچ ہے اس بشر کی ضعیفی سنور گئی

کہ جوان اگر اپنی جوانی ٹھیک گزارتا ہے تو اس کا بڑھاپا اچھا گزرتا ہے، اس لئے کہ مثلاً چراغ میں کسی نے اتنا تیل بھرا تھا کہ جو مغرب سے عشاء تک چلے مگر کوئی دوپہر ہی سے چراغ کو جلادے تو ظاہر بات ہے کہ آدھی رات کے بعد اس کو اندھیرے میں بیٹھنا پڑے گا، جیسے کچھ لوگوں کا حال ہوتا ہے کہ بالغ ہونے سے پہلے ہی وہ بالغ ہوجاتے ہیں، اور جب بالغ ہونے سے پہلے عیّاشی، فحّاشی، بدکاری کا عادی ہے تو نتیجۃً ان کی اخیری عمر انتہائی تکلیف دہ گزرتی ہے، اس لئے کہ بدن کا رَگ ریس سب ختم ہو جاتا ہے، تو نیند الگ رخصت ہے، اور ہضم کا نظام الگ معطل ہے، بشاشت الگ رخصت ہے۔

مادّۂ منویّہ ماءِ حیات ہے

اس لئے کہ مادّۂ منویّہ کے باب میں امام مالک رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ: یہ چہرے کی رونق ہے، اور پنڈلی کی قوّت ہے۔ (مجالسِ خطیب الامت، حصہ اول، ص ۲۰۴)

اگر اس کو صحیح طریق سے صرف کرے تو قوّتیں برقرار رہتی ہے ورنہ رخصت ہو جاتی ہے، تو مادّۂ منویّہ یہ ماءِ حیات ہے۔

شباب کدھر رخصت ہوگیا؟

تو شاعر کہتا ہے کہ ؎

نیکی میں جس بشر کی جوانی گزر گئی
یہ سچ ہے اس بشر کی ضعیفی سنور گئی
خم کھاتی ہے اس واسطے بڑھاپے میں کمر

خم کھاتی ہے یعنی جھکتی ہے

خم کھاتی ہے اس واسطے بڑھاپے میں کمر
جُھک جُھک کے ڈھونڈھتی ہے جوانی کدھر گئی

کہ کمر جو ہے جُھک جُھک کر ڈھونڈھتی ہے کہ شباب کدھر رخصت ہو گیا، اور عربی میں مثل مشہور ہے کہ ''لیت الشباب یعود،، کاش کہ شباب جو ہے وہ لوٹ آئے ''وانی یعود، ،اور وہ کیسے لوٹ سکتا ہے، اس لئے کہ ''لیت،، کو اگر آپ الٹ دے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ مسئلہ گڑبڑ ہو چکا ہے اور ساری جوانی جا چکی ہے۔

ساماں تو جا چکے ہیں بس اب بھی جائیں گے

تو حاصل یہ ہے کہ ملک الموت نے یہ بات کہی کہ بڑھاپا ہماری طرف سے ٹیلی گرام ہے، اس لئے کہ جب بال سفید ہو، چہرے پہ جُھرّی ہو، دانت رخصت ہونا شروع ہو جائے پھر تو سفر کی تیاری ہے، اسی لئے داغ دہلوی بڑی اچھی بات فرماتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ دنیا کا اصول یہ ہے کہ آدمی سفر کرتا ہے تو سامان تیار کرتا ہے، پیٹی رخصت، بستر رخصت، اور سب کے بعد پھر حضرت سب سے ملاقات فرماتے ہیں کہ اچھا اب ہم چلتے ہیں، تو فرمایا کہ یہ انسانی بدن کا جو سامان ہے، آنکھوں کی بینائی وہ رخصت ہونا شروع ہوتی ہے کہ نمبر چڑھ رہے ہیں ایک، دو، تین، بارہ، پندرہ، پچیس، مختلف نمبر ہوتے ہیں، کان سے سنائی نہیں دیتا، کان پور میں ہڑتال ہے، اور ناگ پور میں سیلاب ہے کہ ہر

وقت ضعفِ دماغ سے نزلہ کی شکل ہے، تو ہڑتال کان پور میں، سیلاب ناگ پور میں، اور زبان جو ہے وہ یاری نہیں کرتی کہ الفاظ ساتھ دیتے ہو، تو جب یہ شکل ہے تو داغ فرماتے ہیں کہ ؎

ہوش و حواس تاب و تواں داغ سب گئے

کہ ہمارا ہوش بھی رخصت، حواس بھی رخصت، قوّتیں بھی سب رخصت، تو اس بدن کے گھرانے کا سب سامان تو ہم نے رخصت کر دیا ہے، اب آگے کہتے ہیں کہ ؎

ساماں تو جا چکے ہیں بس اب ہم بھی جائیں گے۔ (خطباتِ حکیم الاسلام)

کہ بدن کا سامان ایک ایک کر کے رخصت ہو گیا، اب ہم بھی جو ہے جانے والے ہیں، تو یہ بڑھاپا در حقیقت ٹیلی گرام ہے، اور اسکے بعد پھر کیفیت یہ ہے کہ آدمی دنیا سے رخصت ہوتا ہے۔

جوانی ایسے ہے جیسے رات کا وقت ہے اور بڑھاپا ایسا جیسے صبح کا وقت ہے

اسی لئے بعض حکماء لکھتے ہیں کہ جوانی ایسے ہے جیسے رات کا وقت ہے اور بڑھاپا ایسا جیسے صبح کا وقت ہے، وجہ اسکی یہ ہے کہ رات میں سیاہی اور تاریکی اور کالا پن ہوتا ہے، اور شباب میں بھی بال کالے ہوتے ہیں جذباتِ نفس ہوتی ہے جو ظلمات کا باعث ہے، تو اس کا مطلب یہ نکلا کہ اگر رات میں کسی کو ٹھوکر لگ جائے تو کسی درجہ میں جو ہے یہ کہا جا سکتا ہے کہ بھائی اندھیرا تھا ٹھوکر لگ

گئی، مگر دن نکلنے کے بعد ٹھوکر لگے تو لوگ کہتے ہیں جناب! دن میں تارے دیکھ کر چل رہے ہیں، اس لئے کہ اُجالا موجود پھر ٹھوکر لگنے کے کیا معنٰی ہے، تو شباب میں اگر کسی وجہ سے گڑبڑی ہوگئی تو شباب کی وجہ سے سمجھا جاتا ہے، اگرچہ تکلیف دہ وہ بھی ہے، یہ مطلب نہیں کہ اسکی گنجائش ہے اور جائز ہے، مثلاً رات میں کسی کے پیر میں ٹھوکر لگے اور اس کا انگھوٹھا ٹوٹ جائے تو تکلیف تو ہوگی صحیح، مگر یہ کہ دن میں لگے تو لوگ کہیں گے اور زیادہ عجیب بات ہے، تو شباب جو ہے وہ درحقیقت رات کے مشابہ ہے اور رات میں غفلت ہوتی ہے غفلت میں ٹھوکر لگ جاتی ہے، اور بڑھاپا وہ دن کے مشابہ ہے اور دن جاگنے بیدار ہونے کا وقت ہے تو معلوم ہوا کہ بالوں میں سفیدی شروع ہوئی پتہ چلا کہ دن کے آثار شروع ہوئے صبحِ صادق ہوگئی ہے، یا کہیں طلوعِ شمس کی شکل ہورہی ہے، اور بال اتنے سفید ہوتے ہیں کہ ’’ **واشتعت الراس شیبا** ،، معلوم ہوتا ہے دوپہر کی کیفیت طاری ہوگئی ہے، تو غرض یہ کہ بڑھاپا تو دن کے مشابہ ہے، اور شباب اور جوانی جو ہے وہ رات کے مشابہ ہے۔

سونے والوں کی بھی قسمیں ہوتی ہیں

تو دن نکل آنے کے بعد بھی اگر غفلت کی کیفیت ہے تو ظاہر ہے کہ لوگ اسکو برا سمجھتے ہیں، جیسے سونے والوں کی قسمیں ہوتی ہیں، علماء نے لکھا ہے کہ بعض سونے والے ایسے ہوتے ہیں کہ ان کو ذرا سی آہٹ ہو جائے تو آنکھ کُھل جائے، جوتوں کی سرسراہٹ ہو اُس سے بھی آنکھ کھل جاتی ہے، اور بعض جو ہے

کھنکھارنے سے بیدار ہوجاتے ہیں، اور بعض ایسے ہوتے ہیں کہ ہلکی آواز سے پکارو تو جاگتے ہیں، اور بعض وہ ہوتے ہیں کہ ان کو چلاّنا پڑتا ہے اور بعضوں کے پاس جاکے اذان دینی پڑتی ہے تب جاکے مشکل سے جاگتے ہے، اور کچھ ایسے ہوتے ہیں کہ ان کو جھنجھوڑنا پڑتا ہے تب جاگتے ہے اور بعض جھنجھوڑنے سے بھی نہیں جاگتے جب تک کہ ان کے منھ پہ پانی نہ ڈالا جائے، یا اُٹھاکے بٹھانہ دیا جائے، انڈیا میں ایک صاحب باہر سو رہے تھے، ہندوستان میں لوگ کثرت سے باہر سوتے ہیں یہاں تو سب کی بکری ڈبہّ میں ہیں کہ چوبیس گھنٹے کمرے ہی میں بند ہیں، زندوں کا قبرستان معلوم ہوتا ہے، تو باہر سو رہے تھے نیند تھی عمیق اور غریق بارش آیا تو انہوں نے رضائی اوڑھ لی، اب برستے برستے رضائی بھیگی تب ان کے مزاج ٹھکانے آئے، تو سونے والوں کی بھی قسمیں ہوتی ہیں۔

حادثات کی حکمت

اس دنیا میں انسان کی غفلت کی نیند ہیں اس کو چونکا دینے کے لئے حق تعالی کی طرف سے چھوٹے چھوٹے حادثے آتے ہیں، اسکے بعد پھر بڑے بڑے حادثے شروع ہوجاتے ہیں، تو بعض ذرا سی مصیبت ہوئی تو حق تعالی کی طرف متوجہ ہوجاتے ہیں، بعض کچھ بڑی مصیبت آئی تو اللہ تعالی کی طرف اور متوجہ ہوجاتے ہیں، بعض وہ ہوتے ہیں جو بہت زیادہ مصیبت آنے کے بعد متوجہ ہوتے ہیں، اور بعض وہ ہوتے ہیں کہ بڑے بڑے حادثے ہوتے ہیں

تب بھی توجہ نہیں، سیلاب آجائے تو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع نہیں، بجلیاں کڑکتی ہیں تب رجوع نہیں، مکانات گرتے ہیں تب رجوع نہیں، دھما کا دھڑا کا ہوتے ہیں تب رجوع نہیں ہوتا، اور جو ہے آندھیاں اور طوفان آجائے تب بھی رجوع نہیں ہوتا ہے، تو یہ غفلت کی انتہا ہے۔

ہائے افسوس! ہم نے مقامِ عبرت اور واقعہ عبرت کو بھی تماشہ گاہ بنالیا

بلکہ آج کل تو عام طور پر جب سیلاب اور ایسے واقعات ہو تو اس سے عبرت پکڑنے کی بجائے لوگ اسے تماشہ گاہ بنالیتے ہیں کہ چلو سیلاب کا منظر دیکھے بڑا سیلاب آیا ہے، زلزلہ آیا تھا بلڈنگیں گری تھیں، اور یہ قوم تو خیر تصویر لینے والی قوم ہیں، باقی اب خود مسلمانوں میں غفلت کی یہ کیفیت ہے کہ جو عبرت کے واقعات ہیں اس کو بھی تماشہ گاہ بنالیا ہے۔

نبی خدا تعالیٰ کا مزاج شناس ہوتا ہے

نبی کریم رضی اللہ عنہ ثمود کی بستی سے گذرے ہیں تو کیفیت یہ تھی کہ اپنے سر پہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کپڑا ڈال دیا، اور بڑی تیزی کے ساتھ وہاں سے نکل گئے، اور وہاں کے پانی سے آٹا گوندا گیا تو اسے بھی اپنے اصحاب کو استعمال نہیں فرمانے دیا۔ (طریق الصالحین شرح ریاض الصالحین ج ۲ ص ۴۲۷) اس لئے کہ نبی حق تعالیٰ کی شیون کا مزاج شناس ہوتا ہے اللہ جلّ شانہ کی صفات کا، تو جہاں ایک مرتبہ غضب کی شکل ظاہر ہوچکی

وہاں یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ مبادا دوسری دفعہ غضب کی شکل نہ نازل ہو جائے، تو ان مواقع سے بھی بچتے ہیں۔

خدا تعالی کو صورتِ عذاب کا دیکھنا بھی نا قابلِ برداشت ہے

بلکہ دیکھنے سے بھی بچتے ہیں، اسی لئے قومِ لوط کے باب میں فرمایا گیا تھا کہ ''ولا یلتفت منکم احد الا امراتک ''، (سورۂ ھود، آیت نمبر ۸۱) منشاء تھا کہ ان کی طرف کوئی دیکھے نہیں، پھر اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ مگر تمہاری عورت دیکھے گی، چنانچہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ چار لاکھ کی چار بستیاں تھیں اور ہر بستی میں تقریباً ایک لاکھ آدمی تھے، جبرئیلِ امین نے اس انگلی پر انہیں اٹھایا اور اٹھا کر اس بستی کو پٹھک دیا گیا ہے، تو وہاں یہ صورت ہوئی ہے کہ عذاب کی صورت ہو تو وہاں دیکھنا بھی نا قابلِ برداشت ہوتا ہے۔

ہم بڑوں کا حال سوائے غفلت کے کچھ بھی نہیں

تو کچھ تو وہ ہوتے ہیں جو حالات سے تنبّہ حاصل کرتے ہیں، بلکہ بچّوں کی فطرت معصوم ہیں وہ بڑی عبرت حاصل کرتے ہیں، میں تو کہتا ہوں کہ حافظ کلاس میں حافظ جی نے ایک کو میٹھی پاک اور کو پرا پاک دینا شروع کیا تو سب جھومنے لگتے ہیں اور پڑھنا شروع کر دیتے ہیں، اور ایسے انہماک کے ساتھ کہ ایسا معلوم ہوتا ہے اِن سے زیادہ کوئی محنتی نہیں ہے، تو بچے تو بے چارے ایک

کی تنبیہ سے عبرت حاصل کرے، مگر ہم بڑوں کا حال سوائے غفلت کے کچھ بھی نہیں، تو حاصل یہ کہ یہ لمبی امیدیں اور طولِ امل یہ ٹھیک نہیں ہے۔

آخرت کی تیاری کی ہو تو دنیا سے جانا آسان ہوتا ہے

اسی لئے دنیا سے جانا دشوار اور شاق ہوتا ہے، حجۃ الاسلام امام غزالی رحمہ اللہ کے حالات میں ہے کہ دوشنبہ کا دن تھا صبح کی نماز کے بعد انہوں نے اپنا کفن منگوایا اور فرمایا کہ: آج کا دن بڑا مبارک دن ہے اور مبارک سفر اور کفن کو منگوا کر چوما اسکے بعد کلمہ پڑھ کر دنیا سے رخصت ہو گئے۔ (فضائل اعمال ص۴۸۲، شمائل کبری ج۹ ص۱۰۰) تو تیاری کر رکھی تھی اس لئے ان کے لئے جانا سہل ہوا، انہیں کوئی پریشانی نہیں ہوئی، یا جیسے شیخ فریدالدین عطار رحمہ اللہ کے بارے میں ہے کہ یہ بہت بڑے عطار تھے ان کی بڑی دکان تھی اس میں اس زمانہ کی معجونیں اور خمیریں اور دوائیں اور جوارشات اور مختلف چیزیں اس میں رکھی ہوئی تھیں اور ملتی تھیں اور بنتی بھی تھیں، ایک فقیر آیا اس نے صدا لگائی کہ دلاؤ اللہ تعالی کے نام پہ، تو انہوں نے کوئی دھیان نہیں دیا، ذرّہ برابر توجہ نہیں کی، اسنے پھر ندا دی تو انہوں نے کہا جاؤ یہاں سے میرے پاس فرصت نہیں ہے، تو اسنے خفا ہو کر کہا کہ جب تمہیں دنیا کی چیزوں سے اتنا زیادہ تعلق ہے اور اِن دواؤں میں تمہاری روح اٹکی ہوئی ہے، لگی ہوئی ہے، تو تمہاری روح نکلے گی کیسے، انہوں نے خفا ہو کر کہدیا جس طریقہ سے تمہاری روح نکلے گی اس طریقہ سے میری نکلے گی، وہ کوئی اہلِ دل تھے انہوں نے کہا ہماری روح تو اس

طرح نہیں نکلے گی وہ تو بہت آسانی سے نکلے گی، تو وہیں اپنی معمولی گدڑی بچھائی لیٹ کر کلمہ پڑھا اور کہا دیکھو ہم اس طرح رخصت ہوتے ہیں کلمہ پڑھا اور انتقال ہو گیا، (اصلاح افروز بیانات ص ۳۶) کیسی مبارک موت، اس کو دیکھ کر انہیں تنبیہ ہوئی، انہوں نے دیکھا واقعی عجیب واقعہ پیش آیا، تو ان کے دل پہ چوٹ لگی اور اسے چھوڑ کر پھر وہ بڑے درجہ کے شخص ہوئے ہیں ان کا رسالہ پندنامہ مدارس میں پڑھایا جاتا ہے ان میں بڑی کارآمد باتیں ہیں اشعار میں، اس میں انہوں نے قوم کو نصیحتیں کی ہیں، تو کہنے کا منشاء یہ ہے کہ اس دنیا سے انسان کو جانا ہے مگر آرزوئیں بہت لمبی لمبی ہیں۔

دنیا کی کوئی حاجت پوری نہیں ہوتی مگر کسی اور حاجت پر

اور متنبہ کہتا ہے کہ دنیا کی کوئی حاجت پوری نہیں ہوتی مگر کسی اور حاجت پر، ایک ضرورت ختم ہوئی کہ اس کے بعد دوسری ضرورت، اب آپ دیکھ لیجئے کہ آدمی کماتا ہے وہ سوچتا ہے کہ میرے سامنے تقاضہ ہے کہ مجھے شادی کرنا ہے، تو وہ شادی کے لئے مال جمع کرتا ہے، شادی ہوئی تو اسکے تقاضے گھربار اور اس کی ضروریاتِ زندگی، وہ ہوئی تو اس کے بعد شکل یہ ہوتی ہے کہ صاحبزادے تشریف لے آتے ہیں، ان کی تشریف آوری ہوئی تو کہیں ختنہ کی رسمیں ہوتی ہے اس میں مستقل دعوتیں اور سلسلے ہیں، پھر جناب کے لئے آگے تعلیم کا مرحلہ اور کچھ زمانہ گذرا تو پھر ان کے لئے شادی کی مستقل رسمیں ہیں رسم ورواج، تو ایک سلسلہ ہے اِس عالم میں جو غیر منقطع سا ہے۔

مہنگی چیزوں کو سستا کرنے کا ایک بہترین علاج

اسی لئے حضرت ابراھیم بن ادہم رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ: مہنگی چیزوں کو سستا کرنے کا بہترین علاج یہ ہے کہ اس کا استعمال چھوڑ دو، اس لئے کہ استعمال جو ہے وہ چیزوں کو مہنگا کرتا ہے، اور ترکِ استعمال وہ چیزوں کے سستا ہونے کا سبب بن جائے گا مگر ہے مشکل، ہم لوگوں نے تو اپنی زندگی کو خواہشات کا بالکل تابع بناڈالا ہے۔

اسلامی نظام کا تعلق عبادات سے ہے

آپ دیکھ لیجئے اسلامی نظام یہ ہے کہ انسانی زندگی جو ہے اس کے سارے نشیب وفراز اور اسکے سارے انتقالات جو ہے وہ عبادات سے متعلق ہے۔

مادّی نظام کا تعلق کھانے پینے سے ہے

اور مادّی نظام کو آپ دیکھ لیجئے تو کھانے پینے سے متعلق ہے، شریعت کہتی ہے کہ نیند سے اٹھو تو دعا پڑھو، طہارت ضرورت سے فارغ ہوکر نماز پڑھو یہ فجر کا نظام ہے، اور لوگ کہتے ہیں کہ نیند سے اٹھے تو چائے پیئو بیڈ کی بغیر کلّی کئے ہوئے بلکہ اُسی سے کلّی کرو، تو دیکھئے نیند سے اٹھو تو کھانے پینے ہی کی فکر ہے، اسکے بعد شریعت نے فجر کے بعد اشراق کا نظام رکھا ہے، اور اسکے علاوہ پھر ظہر کا نظام طعام سے قبل کہہ لیجئے یا بعضوں کے لئے بعد، پھر عصر کا، پھر غروب کا نظام، پھر سونے سے پہلے کا، تو یہ جو اوقات متعیّن کئے ہیں وہ زندگی

کے لئے ایک بہترین نظام اور اصول ہے، اور دنیا کے سارے نظامات کہیں لنچ پہ چلتے ہیں، تو کہیں بریک فاسٹ پہ چلتے ہیں، تو کسی مقام پر ڈِنر پر چلتے ہیں، کہیں ٹی پارٹی ہو رہی ہے، تو کہیں آپس میں پکنک کی شکلیں ہیں، بہرحال ایک نظام ایسا ہے جو خواہشات کا ہے۔

بعض لوگوں کا پیٹ جہنمی بنا ہوتا ہے

بلکہ میں نے بعض ملکوں میں دیکھا ہے کہ لوگ ہر پندرہ بیس منٹ کے بعد کھانے کو سعادت سمجھتے ہیں، جیسے جانور کی حالت ہوتی ہے کہ اِدھر سے آیا تو منہ مارا، اور اُدھر سے آیا تو منہ مارا، اور حق یہ ہے کہ ایسے لوگوں کا پیٹ صحیح معنوں میں جہنّمی بنا ہوتا ہے، وہ ایک صاحب خوش مزاج تھے وہ کہا کرتے تھے کہ رمضان المبارک میں جو ہے جہنم کا دروازہ بند ہوتا ہے وہ بالکل صحیح ہے، یہ پیٹ ہمارا جہنم ہے، اللہ میاں نے کچھ گھنٹوں کے لئے اس کا دروازہ بند کر دیا ہے کہ اندر کچھ جانے ہی نہ پائے، ورنہ ہر وقت یہ کیفیت ہوتی ہے کہ ھل من مزید۔

یہ مٹی کا ڈھیر نہیں ہے، یہ درحقیقت آرزوں اور ارمانوں کا ڈھیر ہے

تو میرے کہنے کا منشاء یہ ہے کہ طولِ امل جو ہے وہ درحقیقت انسان کے حق میں اُس طرف متوجہ ہونے سے مانع ہے، اسی لئے عربی کا ایک شاعر کہتا ہے کہ

قبرستان سے اگر تم گزرتے ہو تو وہاں پر جو قبریں تمہیں نظر آتی ہے یہ مٹی کا ڈھیر نہیں ہے، یہ درحقیقت آرزؤں اور ارمانوں کا ڈھیر ہے جو حسرتوں میں تبدیل ہو چکے ہیں کہ انسان کے دل و دماغ میں کیا کیا آرزوئیں ہوتی ہیں کہ میں یہ کروں گا اور وہ کروں گا اور یہ پلان اور وہ نظام مگر جب ملک الموت پہنچتے ہیں تو فوراً سارا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے۔

ہر دم کو دمِ واپسی سمجھے

حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی وصیتوں میں ہے کہ ہر وقت کو ہر دم کو دمِ واپسی سمجھے گویا زندگی کے آخری سانس ہے تا کہ ملک الموت کے آنے پر یہ کہنا نہ پڑے کہ "**لولا اخرتنی الی اجل قریب فا صدق واکن من الصالحین**"، (سورۂ منافقون، آیت نمبر۱۰) کاش! مجھے کچھ چانس مل جاتا، مجھے کچھ مہلت مل جاتی کہ میں کچھ کر لیتا۔

نعمتان مغبون فیھما کثیر من الناس

اسی لئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ " **نعمتان مغبون فیھما کثیر من الناس، الصحة والفراغ**"، (بخاری شریف، کتاب الرقاق، ریاض الصالحین حدیث نمبر ۹۷) دو نعمتیں ایسی ہیں جس میں لوگ کثرت سے دھوکہ میں پڑے ہوئے ہیں، ایک تو صحت ہے کہ انسانوں کی اکثریت اسکی قدر نہیں کرتی، جوان آدمی جب جوان ہوتا ہے اور صحت مند ہوتا ہے تو صحت کی قدر نہیں ہوتی، صحت کی قدر تو اس نعمت کے زوال کے بعد بیماری میں ہوتی ہے کہ جب آدمی ڈھیلا ہو

جائے ،اب آپ دیکھئے کہ ایک جوان ہے جوان کو جوانی کی قدر نہیں ہوتی بوڑھوں کو پوچھئے کہ جوانی کیا چیز ہے کہ بے چاروں کے وہیل ڈھیلے ہو چکے ہیں بدن میں گریس اور طاقت نہیں ہے، نہ اٹھتے بنتی ہے، نہ چلتے بنتی ہے، اور ادھر دوڑ اور کود پھاند اور اچھل کود،تو زوالِ نعمت کے بعد قدر ہوتی ہے،تو حدیث شریف میں فرمایا گیا کہ دو نعمتیں ہیں جس میں کثرت سے لوگ ٹوٹے میں اور دھوکہ میں پڑے ہوئے ہیں،ایک صحت ہے،دوسرے فراغت ہے۔

بہت سے وہ حضرات ہیں جن کی دستخطیں بڑی کام کرتی ہے

اور اِس ملک میں آپ لوگ الحمدللہ کثرت سے فارغ ہے، بہت سے وہ حضرات ہیں جن کی دستخطیں بڑی کام کرتی ہے، بہت قوی دستخط ہے کہ صرف وہ دستخط کردے تو بہت سارے مسائل حل ہو جاتے ہیں،تو دستخط کر کے بیٹھے ہیں اور مجلس آرائی کے سوا کچھ بھی نہیں،عرصہ گذر گیا اور برسوں اس میں صرف ہو گئے۔

اوقات کی قدر کی جائے یہ بات اسلام نے دنیا کو سکھائی ہے

اس لئے زندگی صحیح معنی میں وہ ہے جو ٹائم ٹیبل کے ساتھ ہو،اور یہ ٹائم ٹیبل ہم کسی اور سے نہیں لیتے بلکہ اسلام نے دنیا کو یہ چیز سکھائی ہے کہ اوقات کی قدر کی جائے۔

ساری دنیا کے حکماء جمع ہو جائے تو ایسی بات نہیں کہہ سکتے

اسی لئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت سمجھو، اور میں تو کہتا ہوں ساری دنیا کے حکماء جمع ہو جائے تو ایسی بات نہیں کہہ سکتے، جیسے حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک موقع پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ انسان کے لئے سب سے مبارک مہینہ وہ ہے جس کو رمضان المبارک سے تعبیر کیا جاتا ہے، اور انسان کے حق میں سب سے بہترین دن وہ ہے جس کو جمعہ سے تعبیر کیا جاتا ہے، اور عمل میں سب سے بہترین عمل اول وقت میں نماز پڑھنا ہے، تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جب اسکی اطلاع ہوئی تو حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے جو بات فرمائی ہے اگر مشرق و مغرب کے حکماء جمع ہو جائے تو اس سے بہتر بات نہیں کہہ سکتے۔

انسان کے لئے کونسا مہینہ، کونسا دن اور کونسا عمل سب سے بہتر ہے؟

مگر یہ کہ میں ایک بات کہتا ہوں کہ انسان کے لئے بہترین مہینہ وہ ہے جس میں اس کو توبہ نصوح نصیب ہو جائے، وہاں تو انہوں نے فرمایا تھا بہترین مہینہ رمضان المبارک کا، اور یہ فرمارہے ہیں کہ جس مہینہ میں گناہوں سے پکّی سچّی توبہ نصیب ہو جائے، وہ سب سے بہتر مہینہ ہے اسکے حق میں، اور انہوں نے کہا

تھا کہ سب سے بہترین جمعہ کا دن ہے، اور یہ بات فرمائی تھی کہ سب سے بہتر عمل اول وقت میں نماز پڑھنا ہے، ان دو کے باب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ فرما رہے ہیں کہ سب سے بہتر عمل وہ ہے جس کو حق تعالیٰ قبول فرما لے، اور سب سے بہتر دن وہ ہے جس میں انسان ایمان کے ساتھ دنیا سے رخصت ہو جائے، اس سے بہتر کوئی دن نہیں ہے۔ (حیات ابرار ص ۲۲۷، ۲۲۸)

انسان دنیا سے ایمان کے ساتھ رخصت ہو جائے اس سے بڑھ کر کوئی سعادت نہیں ہے

مولانا شاہ یعقوب صاحب ننھے میاں رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ جب مجھے یہ خبر ملتی ہے کہ کوئی آدمی کلمہ پڑھ کر دنیا سے رخصت ہوا ہے تو مجھے اتنی خوشی ہوتی ہے کہ مبارک بادی دینے کو جی چاہتا ہے، اور اس کے گھر والوں کو مٹھائی اور تحفہ بھیجنے کو جی چاہتا ہے بطورِ تبریک اور مبارک بادی کے، اس لئے کہ یہ اتنی بڑی سعادت ہے کہ اسکے برابر کوئی سعادت نہیں ہے کہ انسان دنیا سے کلمہ پڑھ کر رخصت ہو جائے۔ (منتخب تقاریر ص ۱۶۳، سبق آموز بیانات ص ۱۸۵)

ابھی نہیں، ابھی نہیں

حضرت امامِ احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے حالات میں لکھا ہے کہ جب ان کے انتقال کا وقت قریب ہوا اور ان کے صاحبزادے ان کے قریب تھے تو حضرت امامِ احمد بن حنبل رحمہ اللہ وصال سے پہلے فرماتے تھے کہ ابھی نہیں، ابھی

نہیں، بچے تو کلمہ تلقین فرما رہے تھے اور وہ کہہ رہے تھے ابھی نہیں، ابھی نہیں، ابھی نہیں، لڑکے کو بڑا تعجب ہوا چنانچہ کچھ دیر بعد جب افاقہ ہوا تو بیٹے نے پوچھا کہ ابا جان! ہم آپ کو کلمہ تلقین کر رہے تھے اور آپ کہہ رہے تھے ابھی نہیں، ابھی نہیں، اس کا کیا مطلب؟ فرمایا کہ اصل صورت یہ ہے کہ شیطان میرے پاس آیا اور آکر وہ کہتا ہے کہ احمد بن حنبل! تم میرے داؤ سے اور پیچ سے بچ گئے اور نکل گئے تم کامیاب ہو، تو میں نے کہا کہ ابھی نہیں کامیابی اس وقت ہوگی جب آدمی دنیا سے ایمان لے کر چلا جائے، ورنہ اس سے پہلے پہلے خطرے کی شکل ہے۔ (البدایہ والنہایہ ج ۱۰ ص ۷۹۲)

نبی کریم ﷺ کی بات پر ایمان بھی تھا اور اسکے ساتھ ساتھ خوف کی وجہ سے ایک کیفیت بھی تھی

یہی تو وجہ ہے کہ جن کو نبی کریم ﷺ نے دنیا میں جنت کی بشارت دی تھی وہ تو خطرہ محسوس کرتے تھے راتوں کو روتے تھے اور تڑپتے تھے، سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضور ﷺ تو جنت کی بشارت دے، دس صحابہ کے بارے میں تو باقاعدہ فہرست ہے، اور ویسے اور صحابہ کے باب میں بھی بعض اور روایتوں سے پتہ چلتا ہے، حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ وغیرہ کے باب میں، تو حضور ﷺ تو جنت کی بشارت دے کہ آپ جنت میں جائیں گے اور وہاں ڈر کی یہ کیفیت ہے کہ کبھی فرماتے کہ کاش! میں تنکا ہوتا، کبھی فرماتے کہ کاش! میں کوئی پرندہ ہوتا، کبھی

فرماتے کاش! میں بکرا ہوتا جس کو ذبح کر دیا جاتا اور لوگ اسے استعمال کرتے کبھی فرماتے مومن کے سینہ کا بال ہوتا۔ (کتاب الزھد،۱۱۰،۱۱۱) کبھی فرماتے کاش! میں سرراہ ایک درخت ہوتا، اونٹ میرے پاس سے گزرتے اور مجھے اپنے منہ کا نوالہ بناتے، مجھے چباتے، کھاتے اور نگل جاتے پھر مجھے مینگیوں کی صورت میں نکالتے، میں کوئی بشر نہ ہوتا (مصنف ابن ابی شیبۃ ج۸ص۱۴۴) ایک مرتبہ ایک باغ میں ایک جانور کو بیٹھا ہوا دیکھ کر ٹھنڈا سانس بھرا اور فرمایا کہ تو کس قدر لطف میں ہے کہ کھاتا ہے پیتا ہے درختوں کے سائے میں پھرتا ہے اور آخرت میں تجھ پر کوئی حساب کتاب نہیں۔ (تاریخ الخلفاء، حکایات صحابہ، ص۳۰) تو یہ جو جملے ان بڑے بڑے حضرات کے ہیں، تو ادھر تو پیغمبر کی طرف سے جنت کی خوش خبری اور بشارت ہے اور وہاں ڈر کی کیفیت ہے، اسکی مثال ایسی ہے کہ کبھی آپ کو زو میں جانے کا اتفاق ہوا ہوگا کہ جہاں پر شیر اور لائن اور ٹائیگر اور مختلف قسم کے جانور ہوتے ہیں تو آپنے دیکھا ہوگا کہ بعض دفعہ شیر جس مقام پر ہوتا ہے اس مقام پہ وہاں بڑی بڑی سلاخیں ہوتی ہے اور یہ یقین ہے کہ وہ اندر سے باہر آ نہیں سکتا مگر وہ چیخ کر دہاڑ کر اور گرج کر آگے بڑھتا ہے تو آدمی چار قدم پیچھے ہٹ جاتا ہے، تو وہاں یقین تو ہے کہ وہ اندر سے باہر نہیں آئے گا، مگر خوف اور دہشت کی وجہ سے یقین مغلوب ہو جاتا ہے اور خوف اور دہشت جو ایک حال ہے وہ حال غالب آجاتا ہے، تو باوجود اس بات کے یقین کے کہ شیر اندر سے باہر نہیں آئے گا مگر اسکے گرجنے اور چیخنے پر آدمی چند قدم پیچھے ہٹ جاتا ہے تو

یہاں یقین ہے کہ وہ اس سے نہیں نکلے گا، مگر یقین خوف اور دہشت کی وجہ سے دب گیا اور اسکے خلاف تقاضے پر عمل ہوا، تو جن کو نبی کریم ﷺ نے جنت کی بشارت دی تھی حضور ﷺ کی بشارت پر ان کا ایمان تھا ان کو سو فیصد سے زیادہ یقین تھا کہ حضور ﷺ نے جو بشارت دی ہے ہم جنت میں جائیں گے، مگر حق تعالیٰ کی عظمتوں اور بڑائیوں اور آخرت کے ہولناک واقعات کے پیشِ نظر خوف کا غلبہ اتنا زیادہ ہوتا تھا کہ اس غلبۂ خوف کے نتیجہ میں ان حضرات کا جو یقین تھا جنت میں پہنچنے کا وہ یقین تو دب جاتا تھا اور خوف کی کیفیت غالب آتی تھی جس کے نتیجہ میں وہ روتے تھے، تو خلاصہ یہ نکلا کہ نبی کریم ﷺ کی بات پر ایمان بھی تھا اور اسکے ساتھ ساتھ خوف کی وجہ سے یہ کیفیت بھی تھی، جیسے وہاں پر یقین ہے کہ اندر سے شیر باہر نہیں آئے گا اور اسکے ساتھ ساتھ آدمی خوف کی وجہ سے پیچھے بھی ہٹ جاتا ہے۔

پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت سمجھ لو

تو میرے کہنے کا منشاء یہ کہ وہ جو حدیث شریف میں فرمایا گیا کہ پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت سمجھ لو اس میں بھی اس کا تذکرہ موجود ہے کہ صحت کو مرض سے پہلے غنیمت سمجھ لو، اور شباب کو بڑھاپے سے پہلے، اور فرصت کو جو ہے مشغولی سے پہلے، اور غنا کو فقر سے پہلے، اور اخیر میں فرمایا کہ زندگی کو موت سے پہلے آدمی غنیمت سمجھ لے۔ (ترمذی شریف)

پیغمبر کے ارشادات جامع ہوتے ہیں

اور حق یہ ہے کہ پیغمبر علیہ السلام کے ارشادات اور آپ کے فرمودات وملفوظات اتنے جامع ہوتے ہیں اور کامل ہوتے ہیں کہ اس پر اگر آدمی غور کرے تو اندر سے بڑے علوم اور حقائق نکلنا شروع ہوں گے، بلکہ فلاسفہ جو بڑے درجہ کے ہوتے ہے وہ ایک ایک بات کے چالیس چالیس سال تک قائل رہے ہیں اور پھر ان پر ان کی غلطی منکشف ہوئی اور انہوں نے اپنے قول سے رجوع کیا، تو فلسفہ سائنس ہمیشہ اپنا رخ بدلتا رہتا ہے، اور پیغمبر کی جو خبر ہے وہ ایک ہی حال پر ہے۔

سارے پیغمبر اصول میں متّحد ہیں

بلکہ وہ ایک ٹھوس حقیقت کی اطلاع دیتے ہے، اسی لئے قرآنِ کریم میں فرمایا گیا ’’کذبت قوم نوح ن المرسلین ‘‘، (سورۂ شعراء، آیت نمبر ۱۰۵) کہ حضرتِ نوح علیہ السلام کی قوم نے مرسلین کی تکذیب کی، حالانکہ نوح علیہ السلام کے زمانے میں تو صرف وہی موجود تھے اور ان کی قوم نے ان کو جھٹلایا، اور یہاں فرمایا گیا کہ قومِ نوح نے جو ہے مرسلین کی تکذیب کی، اسکی وجہ یہ ہے کہ پیغمبر اصول کے اندر متحد ہیں، لہٰذا پہلا پیغمبر جو خبر دے گا آخری پیغمبر بھی وہی خبر دے گا کہ خدا تعالی ایک ہے آخرت برحق ہے توحید پر ایمان لائیے اس لئے اگر ایک کو بھی جھٹلا دیا تو سب کو جھٹلانا ہے۔ (اسلامی عقائد ص ۶۵، ملفوظات محدث کشمیری ص ۳۲۷) اسکی بالکل ویسی مثال ہے جس کو میں اپنے درس میں کبھی کبھی دیتا ہوں

حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ نے اسکی طرف اشارہ کیا ہے کہ ایک حکیم صاحب تھے ان کا ایک خادم تھا وہ مطب کرتے تھے دوا خانہ چلاتے تھے اور خادم تھا بھینگا اس کو ایک آنکھ سے دو چیزیں دکھائی دیتی تھی، تو اس سے حکیم صاحب نے کہا کہ اندر کے روم میں فلاں مقام پہ ایک بوتل رکھی ہے جا کر وہ بوتل لے آؤ وہ گیا اور آکر حکیم صاحب سے کہا کہ وہاں تو ایک نہیں دو بوتل ہے، حکیم صاحب نے خفا ہو کر پھر بھیجا کہ بھائی ایک ہی ہے اسے اٹھا کر لے آؤ، اسنے آکر پھر وہی خبر دی کے وہاں پر تو ایک کی بجائے دو بوتل رکھی ہے، اسنے جو یہ خبر دی تو حکیم صاحب نے خفا ہو کر کہا کہ اچھا جاؤ ایک کو چھوڑ دو اور دوسری اٹھا کر لے آؤ دو تمہیں دِکھتی ہے تو، اب وہ صاحب پتھر لے کر گئے ایک کو جو پھوڑا تو دونوں ہی رخصت ہوگئی، (خطبات حکیم الامت ج ۵ ص ۲۵۷، ۲۵۸) اس لئے کہ وہ دِکھتی تھی دو مگر حقیقۃً ایک تھی، تو ٹھیک اسی طریقہ سے انبیاء کرام کئی ہیں اور متعدّد ہیں مگر حق یہ ہے کہ وہ جس چیز کی تعلیم دیتے ہیں اس میں وحدت ہے، اس لئے ایک کو جھٹلانا سب کو جھٹلانے کے قائم مقام ہے۔

خدا تعالی کی بات بدلتی نہیں ہے

تو انبیاء کرام علیہم السلام کی بات تو وہیں ہے، بقول حکیم مشرق اکبر الہ آبادی رحمہ اللہ کے۔

برسوں فلاسفہ کی چنیں و چناں رہی
لیکن خدا کی بات جہاں تھی وہیں رہی

اس لئے کہ حق تعالیٰ کا جو کلام ہے اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی ہے " لا مبدل لکلمٰتہ "، (سورۂ انعام، آیت نمبر ۱۱۵) یہی وجہ ہے کہ فلسفی جو ہے وہ جتنا کوشش کرتا ہے وہ مقصد تک نہیں پہنچتا، اسی کو شاعر کہتا ہے ۔

فلسفی کو بحث کے اندر خدا ملتا نہیں
ڈور کو سُلجھا رہا ہے اور سِرا ملتا نہیں

تو وہ جتنی الجھنیں دور کرنا چاہتا ہے وہ الجھنیں بڑھتی ہی جاتی ہیں۔

علامہ اقبال رحمہ اللہ کی ایک دعا

اسی لئے علامہ اقبال رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ۔

عطا اسلاف کا جذبِ دروں کر !
شریکِ زمرۂ لا یحزنوں کر
خرد کی گھتّھیاں سلجھا چکا میں
مرے مولیٰ مجھے صاحبِ جنوں کر!

(کلیاتِ اقبال ص ۳۷۹، بالِ جبریل ص ۸۷)

میں نے عقل کی لائن کی جتنی گھتّھیاں تھیں اور مسئلے ومعمہ تھے ان کو میں نے اپنے ناخنِ گرہ کشاں سے کھول دیا اور گھتّھیاں سلجھا دی، مگر اب میں دعا کرتا ہوں کہ مولیٰ ! مجھے جنوں اور اُدھر کی محبت وعشق نصیب فرما تا کہ میرا حال نتیجۃً اچھا ہو جائے، میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ سلفِ صالحین اور بزرگوں کے قلب میں جو عشق کی انگھیٹی تھی اور آگ روشن تھی اور جو جذبہ کارفرما تھا اس کا

کوئی حصہ آپ مجھے مرحمت فرمائیں۔

واللہ لو کنتم تعلمون ما اعلم لضحکتم قلیلا ولیبکوا کثیرا

تو حاصل یہ ہے کہ انسان کے حق میں لمبی آرزوئیں اور امیدیں سبب بن جاتی ہے آخرت کی طرف متوجہ ہونے سے، اسی لئے آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ ''واللہ لو کنتم تعلمون ما اعلم لضحکتم قلیلا ولیبکوا کثیرا''، بقسم آخرت کے باب میں جو باتیں میں جانتا ہوں ان کو اگر تم جان لو تو تمہاری ہنسی گم ہو جائے اور تمہارا رونا بڑھ جائے اور بیویوں سے تمتع چھوڑ دو اور میدانوں میں نکل کر اللہ تعالی سے زاری کرو۔ (احمد، ترمذی، گلدستہ تفاسیر ج۳ ص۲۰۱) یہ کیفیت تم پر ہو جائے گی۔

جس کا سارا نظام ٹھیک ہے اس کو تو سفر میں خوشی ہی پیش آئے گی

نبی کریم ﷺ کے کلام کا حاصل یہ ہے کہ موت کے آنے سے پہلے آدمی اسکی تیاری کر لے، اور ظاہر ہے کہ جس کا سارا نظام ٹھیک ہے اس کو تو سفر میں خوشی ہی پیش آئے گی، کوئی بغیر ٹکٹ سوار ہوا تو اسکی آبنے گی، یا ٹکٹ کے معاملے میں جعل سازی کی ہے تو اسکی آبنے گی، جیسے ہم نے دیکھا آپ کا برطانیہ جو ہے اس کا ویزا پہلے یہاں آکر لگتا تھا اب تو ہندوستان سے ہی لینا پڑتا ہے، تو اس

وقت پورے سفر میں دل میں دھڑ دھڑی رہتی تھی کہ خدا جانے وہاں پر کیا کیفیت ہوگی کہ وہاں مقبول ہو کہ اندر داخل ہوتے ہیں یا وہاں سے رد کر دیئے جاتے ہیں، تو یہ دنیوی معاملات میں جب یہ کیفیت ہے جس سے ہم سمجھ سکتے ہے کہ یہاں اندیشہ ہے، تو حق تعالی کے یہاں پہنچنے کا معاملہ تو بہت بڑا ہے۔

دو مقامات ہے پتہ نہیں ہمارے حق میں کس کا فیصلہ ہوتا ہے

اسی لئے بعض بزرگوں کے حالات میں ہے کی موت کے وقت ان پر رونے کی کیفیت طاری ہوئی، تشویش کی، ان سے پوچھا گیا کہ ایسا کیوں ہے؟ انہوں نے کہا کہ ہم نے جس دروازہ کو کھٹکھٹایا ہے اور جہاں ہم جانا چاہتے ہے تو اس میں خطرہ یہ ہے کہ دو مقامات ہے ایک طرف جنت ہے، ایک طرف جہنم ہے، شاہی مہمان خانہ اور شاہی جیل خانہ ہے، اور ہمارے باب میں کیا فیصلہ ہوتا ہے اسکی کوئی خبر نہیں ہے۔ (کتاب العاقبۃ ص ۶۵) تو کشمکش کی کیفیت ہم پر طاری ہے۔

حضرت! دعا کیجئے داخلہ ہو جائے

اور واقعہ یہ ہے کہ وہ خوف کی کیفیت ایسی ہی ہے، حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب رحمہ اللہ کا سمندری جہاز میں تھے اور انتقال ہو گیا۔ (لالہ وگل ص ۱۲۱) تو انتقال سے دو دن پہلے حضرت پر ایک خاص قسم کی کیفیت تھی، بلکہ وہ اپنی مجلسوں میں چھ مہینے پہلے سے خواجہ عزیز الحسن مجذوب رحمہ اللہ کا یہ شعر پڑھتے تھے کہ ؎

آنے والی کس سے ٹالی جائے گی
جان ٹھہری جانے والی جائے گی
پھول کیا ڈالوگے تم تربت پہ میری
خاک بھی تم سے نہ ڈالی جائے گی

اور اللہ تعالیٰ کی شان کے ان کی نعش پانی ہی میں ڈالی گئی ہے کہ جہاں خاک ڈالنے کی بھی نوبت نہیں آئی۔ (لالہ وگل ص ۱۲۱) تو چھ مہینے سے پہلے وہ اپنی مجلسوں میں وقتاً فوقتاً یہ شعر پڑھتے تھے گویا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک بات ہونے والی تھی جوان کے قلب پہ ڈالی گئی، اسی لئے حضرت مولانا علی میاں صاحب مدظلہ (نور اللہ مرقدہ) حضرت کے سفرِ حج سے پہلے بمبئی تشریف لائے میں بھی وہیں پر موجود تھا، تو حضرت نے فرمایا کہ دعا کیجئے داخلہ ہو جائے، حضرت مولانا علی میاں صاحب مدظلہ (نور اللہ مرقدہ) اس کا مطلب نہیں سمجھے، چونکہ حضرت حج کے لئے تشریف لے جا رہے تھے ویزا وغیرہ سارے معاملات ٹھیک تھے، بعد میں جب انتقال ہوا اور بالکل جدہ کے قریب پہنچ کر ان کی نعش سمندر میں ڈالی گئی ہے، اس لئے کہ کچھ کاروائیوں کا علم نہیں ہو سکا اور اللہ تعالیٰ کو منظور ہی یہی تھا کہ ساری زندگی گمنامی اختیار کی انہوں نے، تو غرض یہ کہ اس وقت سمجھ میں آیا، اور فرمایا کہ اس وقت میرے ذہن میں یہ آیا کہ گویا حدودِ حرم میں داخلہ ان کا ہو جائے یہ ان کا منشاء تھا۔

ہم سمجھتے تھے کہ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب رحمہ اللہ کی بیت اللہ پہ پہلی نظر پڑے گی تو شاید اسی وقت انتقال ہوجائے گا

اور حق یہ ہے کہ وہ ایسے جلے بھنے تھے اور ایسی کیفیت تھی ان پر کہ بالکل سوختہ ذات، بیس سال تک وہ تھانہ بھون میں رہے ہیں اور چوبیس گھنٹے پڑھنے پڑھانے اور اصلاحی خطوط کے ساتھ ذکر و شغل کا معمول تھا۔ (اصلاحی مجالس ج ۴ ص ۵۴) اور بے پناہ جذب تھا، اور ان کی کرامتیں بھی بچپن سے ہی عجیب عجیب ظاہر ہوتی تھی، تو ہم لوگ تو سمجھتے تھے بمبئی میں تھے کہ بیت اللہ پہ نظر پڑے گی تو شاید اسی وقت انتقال ہو جائے گا ایسے جلے بھنے تھے، اور اللہ تعالی کی شان ہے کہ بیت اللہ تک پہنچنے سے پہلے ہی ان کی روح پرواز کر گئی تو

حج زیارت کردنِ خانہ بود
حجِّ ربّ البیت مردانہ بود

کہ کچھ لوگ ہوتے ہیں جو بیت اللہ کا حج کرتے ہیں اور بعض وہ ہوتے ہیں کہ تجلی خداوندی ان پر ہوتی ہے کہ جو اصل مقصود ہے وہ انہیں حاصل ہے۔

مُحرِم قیامت میں حالتِ احرام میں اٹھے گا

اور آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ آدمی حج کے لئے جا رہا ہے محرم ہے اور راستہ میں اس کا انتقال ہو جائے تو اس کو ہمیشہ اس کا ثواب ملتا رہے گا، اور مُحرِم

قیامت میں اٹھے گا تو حالتِ احرام میں اٹھے گا۔ (ابو یعلی، ترغیب، فضائل حج ص ۲۷، ۲۸) وہاں بھی اس کا اعجاز ہوگا۔

یہاں جو کچھ کیا جائے گا اس کا ثمرہ اس عالم میں سامنے آئے گا

تو بہر حال، جو اللہ تعالی سے ملنے کو پسند کرے تو اللہ تعالی بھی اس سے ملنے کو پسند فرماتے ہیں، اور یہ پسندیدگی اچھی زندگی کے نتیجہ میں پیدا ہوتی ہے خالی تصوّر سے جو ہے اس کا تعلق نہیں ہے، اور جو اللہ تعالی سے ملنے کو ناپسند کرے اللہ تعالی بھی اس سے ملنے کو ناپسند فرماتے ہیں، تو حق تعالی شانہ ہمیں شوقِ آخرت نصیب فرمائے، اور اس عالم میں پہنچنے سے پہلے اس فنا ہونے والے عالم میں ہمیں کچھ کر لینے کی توفیق نصیب فرمائے کہ یہاں جو کچھ کیا جائے گا اس کا ثمرہ اس عالم میں سامنے آئے گا، اللہ تعالی توفیقِ عمل عطا فرمائے، آمین۔

مجلس نمبر ۱۷

رمضان المبارک ایک معیار ہے وہ جس شان کے ساتھ گذرے گا سال بھر اسکے اثرات ہوں گے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اِس عالم میں غموم وہموم زیادہ ہیں اور مسرّتیں اس کی بنسبت کم ہیں

فرمایا کہ: جب حضرت آدم علیہ السلام کا خمیر تیار کیا گیا تو بعض روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ انتالیس دن ان پر غم کی بارش ہوئی اور ایک دن خوشی کی بارش۔ (تفسیر عزیزی سورۂ بقرہ، حصہ اول، ص ۳۰۶) تو اس عالم میں غموم وہموم زیادہ ہیں اور مسرّتیں اس کی بنسبت کم ہیں، دارالسرور اور خوشی کا مقام جنّت ہے، اور یہاں پر یہ خوشی یا غم سب کے سب عارضی ہے۔

جو خطرہ ہوائی جہاز میں ہے وہی خطرہ زمین پر رہتے ہوئے بھی ہے

ایک صاحب کہنے لگے کہ ائیر کی جو سواری ہے ہوائی جہاز کی اس میں بڑا خطرہ رہتا ہے کہ اگر صحیح پہنچی تو بہت جلدی ورنہ تو ہلاکت ہے، میں نے کہا اس میں بھی ایک فرق عجیب ہے عارض غیر عارض ہونے کا، انسانی زندگی کا مدار بھی ہوا ہی پر ہے تو وہ زمین پر رہتے ہوئے بھی ائیر ہی کی سواری ہے گویا کہ اگر سانس بند ہوگئی اور آمد و رفت رخصت ہوگئی تو انسان جو ہے وہ دنیا سے رخصت، تو جو خطرہ ہوائی جہاز میں ہے وہی خطرہ زمین پر رہتے ہوئے بھی ہے۔

اے بسا آرزوئے کے خاک شد

اسی لئے کسی شاعر نے بڑی اچھی بات کہی کہ ؎

بے سود جلاتا پھرتا ہے سینے میں چراغ امیدوں کے
اس پر بھی کبھی کوئی غور کیا کہ ہر سانس ہوا کا جھوکا ہے

کہ سینہ میں چراغِ امید روشن کر رکھا ہے یہ طمع وہ امید فلاں پلان ایک سلسلہ لامتناہی ہے گویا، تو شاعر کہتا ہے اس پر بھی کبھی غور کیا ہر سانس ہوا کا جھونکا ہے کہ چراغ ہوا کے جھونکے سے گل ہو جاتا ہے، کہ معلوم نہیں کونسی ایسی لہر آئے کونسی ایسی شکل ہو کہ ہوا کا جھونکا آجائے جو آخری جھونکا ہو اور انسان کی امیدوں کا چراغ گل ہو جائے، اسی لئے عربی کا ایک شاعر کہتا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ قبریں جو ہے جو زمین سے ذرا اٹھی ہوئی معلوم ہوتی ہے یہ مٹی کا ڈھیر نہیں ہے یہ آرزؤں اور تمناؤں کا ڈھیر ہے کہ کتنی آرزوئیں تھیں صدور میں اور کتنی تمنائیں تھیں دلوں میں وہ سب کی سب مبدل بہ حسرت ہوگئی، کہ یہ کروں گا وہ کروں گا ”اے بسا آرزوئے کے خاک شد“ تو حق یہ ہے کہ بڑی عبرت ہے اس عالم میں۔

اس عالم کی نیرنگیاں کچھ عجیب ہے

حضرت خضر فرماتے ہیں کہ میں نے ایک شہر دیکھا آباد شہر، اس کے پانچسوں سال بعد گذر ہوا تو ویران تھا کھنڈر بالکل، پھر کچھ سال بعد گذر ہوا ادھر سے پھر آباد تھا، پھر پانچسوں سال بعد گذر ہوا تو ویران تھا، تو اس عالم کی

نیرنگیاں کچھ ایسی ہی ہے کہ کبھی کچھ کبھی کچھ۔ (المستطرف)

خدا دیتا ہے جن کو عیش ان کو غم بھی ہوتا ہے
جہاں بجتے ہے نقّارے وہاں ماتم بھی ہوتے ہے

آخری نصیحت

تو آخری نصیحت یہی ہے کہ اللہ پاک سے لو لگائیے، اور اپنے اندر تواضع عبدیت پیدا کر کے اس کے آگے سوال کا ہاتھ بڑھائے کہ وہ ہمیں معاف فرمادے، حدیث شریف میں فرمایا آپ ﷺ نے ''الا کلّکم خطّائون،، با خبر ہو جاؤ تم سب گنہگار ہیں ''و خیر الخطائین التوابین،، اور وہ خطا کار بہت اچھے ہیں جو توبہ کرتے رہتے ہیں۔ (ترمذی شریف، ج۲ص ۷۶، ابن ماجہ شریف ۳۱۳)

دعاءِ جیلانی

حضرت عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کے باب میں ہے شیخ سعدی رحمہ اللہ نے لکھا ہے گلستاں میں کہ ان کو کعبۃ اللہ میں دیکھا گیا کہ کعبۃ اللہ کا غلاف پکڑ کر دعا فرما رہے تھے کہ اے رب العٰلمین! کل جب قیامت میں آپ ہمیں اٹھائیں گے لوگوں کے سامنے تو رسوا نہ فرمائے اور پردہ پوشی کا معاملہ فرمائے۔

علامہ اقبال رحمہ اللہ کی ایک عجیب وغریب دعا

ایسے ہی علامہ اقبال رحمہ اللہ نے ایک شعر میں بڑی اچھی بات کہی کہ اے اللہ! ہم سے تعلق ہے نبی کریم ﷺ کو اور ظاہر بات ہے کہ جس بڑے کو

اپنے چھوٹے سے اور چھوٹے کو اپنے بڑے سے لگاؤ ہو تو اگر چھوٹے پر کوئی حال آجائے، کوئی مصیبت آجائے، تو بڑے کے لئے بھی تکلیف دہ بات ہے اور چھوٹے کے لئے بھی شرمندگی کی بات ہے، مثلاً کوئی بچہ ہے اس نے کوئی جرم کیا اب ظاہر بات ہے کہ اسے سزا ہوگی تو اس کے لئے شرمندگی کی بات ہے اور بڑے کو بھی تکلیف ہوگی، تو وہ فرماتے ہے کہ ؎

تو غنی از ہر دو عالم من فقیر
روزِ محشر عذرہائے من پذیر
گر تو می بینی حسابم نا گزیر
از نگاہِ مصطفیٰ پنہاں گیر

اے اللہ! قیامت میں ہمارا حساب اگر آپ لے اور عتاب ہوگا تو نبی کریم ﷺ سے پردہ فرما کر حساب لے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ حضور ﷺ کو ہم سے تکلیف ہو اور ہمیں ان سے شرمندگی ہو جائے، بڑا عجیب وغریب مضمون ہے۔

سلفِ صالحین کا طریقِ نصیحت

سلفِ صالحین میں سے جب کوئی کسی سے نصیحت کی درخواست کرتا تو ان کا معمول تھا کہ وہ یوں کہتے ''اوصیک و اوّلاً بتقوی الله، وا المواظبة علی ذکر الله،، کہ ہم آپ کو نصیحت اور وصیت کرتے ہے تاکید کے لئے اس کو وصیت کہہ دیتے ہے، یہ ضروری نہیں ہے کہ جو موت کے وقت ہو وہی وصیت قرآنِ کریم میں ہے ''وتواصوا بالحق وتواصوا بالصبر،،

(سورۂ عصر، آیت ۳) تو تاکیدی نصیحت کو بھی وصیت کہہ دیتے ہے، حق تعالی فرماتے ہیں "یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین "(سورۂ نساء آیت نمبر ۱۱) (شرح اسماء الحسنی ص ۵۰۱) اور اللہ میاں کے لئے تو موت ہے نہیں، تو بہر حال، وہ کہتے تھے ہم آپ کو نصیحت کرتے ہے اور آپ سے پہلے اپنے آپ کو کیسی عجیب بات ہے، بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ آدمی دوسروں کو نصیحت کرتا ہے اور خود غافل ،فرماتے ہیں ہم آپ سے پہلے اپنے آپ کو نصیحت کرتے ہے اللہ کے تقوی اور خوف کی اور اسکے ذکر پر مداومت اور ہمیشگی کی۔

عبدیت کا راستہ سب راہوں سے بڑھ کر ہے

اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ عبدیت کا راستہ سب راہوں سے بڑھ کر ہے۔ (بنیان المشید ص ۱۱۹) عبدیت بہت بڑی چیز ہے۔

اگر کسی بندۂ خدا پر لوحِ محفوظ منکشف ہو تو کوئی ممنوع نہیں ہے

حضرت سید احمد رفاعی رحمہ اللہ ایک بزرگ گذرے ہیں سید عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ کے دور میں، بڑے بڑے علوم انہوں نے بیان کئے ہیں صحیح معنیٰ میں صاحبِ معرفت تھے اور ان کی صفات میں تواضع بڑی مشہور تھی اس کا بڑا غلبہ تھا۔ (بنیان المشید ص ۱۹) ایک شخص سید عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ کی خدمت میں پہنچا انہوں نے فرمایا کہ دور ہو شقی یعنی تو بدنصیب ہے شقی ہے، وہ شخص بڑا

مایوس ہوا، اسکے بعد وہ سید احمد رفاعی رحمہ اللہ کے پاس پہنچا وہ بھی صاحبِ حال تھے اور بہت بڑے عارف تھے انہوں نے دیکھ کر فرمایا کہ آ بھائی! تو بھی شقی، میں بھی شقی، تو بھی بدنصیب، میں بھی بدنصیب اور تین دن اپنے ساتھ رکھا اور کہا کہ جاؤ حضرت کو سلام کر آؤ، اب جو پہنچے تو حضرت نے دور ہی سے دیکھ کر کہا آ بھائی! تو بھی سعید اور تیری وجہ سے میں بھی سعید ہو جاؤں گا، تو نیک بخت تیری وجہ سے میری بھی نیک بختی، تو اب سوال یہ ہے کہ یہ کیا چیز ہے، اگر کسی بندۂ خدا پر لوحِ محفوظ منکشف ہو تو کوئی ممنوع نہیں ہے گنجائش ہے جیسے ملائکہ پر انکشاف لکھا ہے تفسیروں میں تو، اگر یہ شکل ہوئی ہو تو اس کا بھی امکان ہے۔

تقدیرِ معلق کی تشریح

اور اس میں ایک شکل ہوتی ہے تقدیرِ معلق کی جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر یہ کیا تو یہ، اور یہ کیا تو یہ، زہر کھایا تو مر جائے گا ریوالور سینہ پہ رکھ کر دبا دیا تو ختم ہو جائے گا، چلتی ٹرین کے آگے لیٹ جائے گا تو کٹ جائے گا، اور اگر نہیں، تو نہیں، مگر علمِ الٰہی میں یہ طے ہے کہ وہ کیا کرے گا یعنی یہ کرے گا، یا نہیں، وہاں ایک ہی چیز لکھی ہے علمِ الٰہی میں یہ طے ہے، بندوں کے اعتبار سے یہ ہے کہ یہ کیا تو یہ، اور فلاں کام کیا تو یہ، یہ معلق کا درجہ ہے کہ اگر کسی شخص کی صحبت میسّر آ جائے اور اس پہ کوئی خاص حال ہے تو ان کے لئے یہ مقسوم تھا کہ وہاں پہنچے، تو ایک شکل یہ ہے، وہ جو اصل علمِ الٰہی کا نظام ہے اس میں تو کوئی تبدیلی ہوتی نہیں ہے کوئی تغیر ہوتا نہیں ہے وہ ایک ہے حتمی اور قطعی۔

وصفِ عبدیت تمام صفات میں بنیادی ہے

یہی حضرت سید احمد رفاعی رحمہ اللہ جن کی تواضع مشہور ہے نبی کریم ﷺ کے روضۂ اقدس پہ حاضر ہوئے اور اشعار پڑھے جس کا حاصل یہ ہے کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! میں دور تھا تو آپ کی روح کو سلام بھیجتا تھا اب میں خود حاضر ہوا ہوں غلام ہوں اور آپ آقا ہیں، میری رغبت ہے کہ آپ کا دستِ اقدس ظاہر ہو تو میں اس کو بوسہ دوں، اور کچھ اشعار پڑھے ہیں تو مزارِ اقدس سے نبی کریم ﷺ کا ہاتھ مبارک ظاہر ہوا انہوں نے اس کو بوسہ دیا اور وہاں اسّی ہزار سے زیادہ کا مجمع تھا، تو طبیعت میں عجب پیدا نہ ہو اس لئے وہ لیٹ گئے اور لوگوں سے کہا کہ مجھ کو روندتے ہوئے گزروں۔ (تقاریر تفسیر قرآن ص ۲۰۶، ۲۰۷، حضرت تھانوی کے پسندیدہ واقعات ص ۸۰، بنیان المشید ص ۲۱) لوگوں نے احتیاط کی کچھ ایسے بھی تھے جو گزریں، تو اتنا بڑا اشرف اللہ تعالی نے ان کو نصیب فرمایا تھا کہ حضورِ اقدس ﷺ کا دستِ اقدس ظاہر ہوا، تو وصف عبدیت تمام صفات میں بنیادی ہے کہ آدمی اپنے کو کچھ نہ سمجھے۔

جو ردّی بات ہو اسے رد کر دو اور جو اچھی بات ہے اسے اخذ کر لو

اسی لئے بڑے بڑے حضرات نے اپنے چھوٹوں سے یہ کہا کہ کوئی نصیحت کیجئے، بلکہ یہاں تک لکھا ہے کتابوں میں کہ دیوار پر بھی اگر نصیحت لکھی ہو تو

آدمی اس سے فائدہ حاصل کرے مقصود بالذات تو یہ ہے کہ انسان انتفاع کرے جہاں بھی ہو۔

کہہ چکے ہیں اہلِ دل
خذ ما صفا ودع ما تذر

کہ حقیقت ہو یا مذاق ہو آدمی ہر بات سے نصیحت حاصل کرے، اہلِ دل یہ کہہ چکے ہیں کہ جو رڈّی بات ہو اسے تو رد کردو جو اچھی بات ہے اسے اخذ کرلو اور لے لو۔

نصیحتوں کا حاصل کدورتوں کا دور کرنا ہے یا کمزوریوں کا دور کرنا ہے

آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''الدین النصحیة ،، (مسلم شریف کتاب الایمان، ریاض الصالحین حدیث نمبر ۱۸۱) دین نام ہی ہے نصیحت کا، اربابِ لغت لکھتے ہیں کہ نصیحت کا مطلب یہ ہے کہ مثلاً کوئی کپڑا پھٹ جائے اس کو سی لیا جائے، معلوم ہوا ضعف کا اور کمزوری کا تدارک کردیا جائے اسکی تلافی کردی جائے یعنی جو اس میں گڑبڑی ہو اس کو دور کردی جائے، یا یہ کہ مثلاً کسی شئی کے اندر کچھ میل کچیل ہو جیسے شہد ہے اس کو صاف کردیا تو یہ بھی نصح کی ایک شکل ہو جائے گی، تو نصیحتوں کا حاصل کدورتوں کا دور کرنا ہے، یا کمزوریوں کا دور کرنا ہے تو گویا سامنے والے سے نصیحت کی درخواست کا مطلب یہ ہے کہ گویا اس سے یہ کہنا چاہتا ہے کہ آپ کوئی ایسی بات ارشاد فرمائے جو ہمارے لئے موجبِ نصیحت ہو جائے۔

بڑھاپا سب سے بڑی نصیحت ہے

یہی وجہ ہے کہ کتابوں میں لکھا ہے کہ سب سے بڑی نصیحت جو انسان پہ خود پہ حالات آتے ہیں وہ ہیں، اور ان میں خاص طور سے بڑھاپا اس سے بڑھ کر کوئی نصیحت نہیں ہے، سب سے بڑی نصیحت یہی ہے (سیرۃ المصطفی ج۲ ص۳۵۱)

سیاہی از رخ رفت، نہ از روح

ایک بزرگ تھے انہوں نے آئینہ دیکھا، تو ان کو اپنے چہرے پہ ڈاڑھی کے کچھ بال سفید دکھائی دیئے، تو بڑی حسرت سے فرمایا کہ ؎

سیاہی از رخ رفت، نہ از روح

کالا پن جو ہے وہ چہرے سے تو چلا گیا کہ پہلے بال کالے تھے اب کالے نہیں رہے سفید ہو گئے، مگر روح کا کالا پن ابھی تک نہیں گیا ہے اندر سیاہی باقی ہے تو ؎

سیاہی از رخ رفت نہ از روح

کہ چہرے سے تو سیاہی چلی گئی مگر روح کا کالا پن ابھی تک باقی ہے، روح گناہوں کی وجہ سے متاثر ہے۔

خدا تعالیٰ کے دربار میں عجز و بے چارگی بڑی چیز ہے

تو حق یہ ہے کہ ہم لوگ ہر لمحہ اس کے محتاج ہیں کہ رب العلمین کی طرف ملتفت ہوں، اور اپنے گناہوں کا اعتراف، شرمندگی، عجز و بے چارگی اس

راستہ میں سب سے زیادہ پسندیدہ چیز یہی ہے، فارسی کا ایک شاعر کہتا ہے کہ ؂

زاہد غرور داشت سلامت نہ بُرد راہ

دل از رہے نیاز بدار السلام رفت

زہد وتقوی ہے مگر اس کے ساتھ کبر وغرور ہے تو راستہ اس نے محفوظ نہیں رکھا گویا راستہ کو برباد کر دیا، اور مے خواری ہے، گناہوں میں ہے، مگر شرمندہ ہے اور خدا تعالی کے حضور اپنے آپ کو نادم بنا کر پیش کرتا ہے تو ربِّ اکرم کی عنایتیں اس کو اپنا لیتی ہے، تو خدا تعالی کے دربار میں عجز و بے چارگی بڑی چیز ہے۔

انا وارث من لا وارث له

بعض آثار ایسے بھی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب بندے کی تدفین ہو جاتی ہے تو حق تعالی ملائکہ سے پوچھتے ہیں میرے بندے کی قبر کا نام ونشان ہے، ملائکہ عرض کرتے ہے کہ رب العلمین! ابھی نشان باقی ہے، پھر دریافت کرتے ہیں وہ عالم الغیب ہے پھر بھی ایک نظام ہے اس کا، ملائکہ کہتے ہے کہ رب العلمین! اب بھی قبر کا نشان باقی ہے، کچھ اور عرصہ کے بعد پوچھتے ہیں تو ملائکہ کہتے ہے کہ پروردگارِ عالم! آپ کے بندے کی قبر کا نام ونشان بھی باقی نہیں رہا، تو حق تعالی فرماتے ہیں کہ انتقال کے بعد لوگ اسے بھول گئے اور پھر اس نشان کو دیکھ کے کوئی کچھ پڑھ دیتا تھا دعا کر دیتا تھا اب اس کی قبر کا بھی نشان باقی نہیں ہے وہ انتہا درجہ کی عجز ومسکنت اور بے چارگی کی حالت میں ہے لہٰذا

تم گواہ رہو کہ میں نے اس کی مغفرت کردی، اس لئے کہ" انا وارث من لا وارث لــہ،، میں اس کا وارث ہوں جس کا کوئی وارث نہیں (کنز العمال) تو بے کسوں کا سہارا بے بسوں کی تسکین کا سامان وہ میری ہی ذات ہے، تو جب بندہ انتہائی درجہ مٹتا ہے تو خدا تعالی کی عنایتیں اس کو اپنی طرف لے لیتی ہے۔

حق تعالی کا راستہ طے کرنے کے لئے آدمی کوشش کرے تو رحمتِ حق خود ہی اسے آغوش میں لے لیتی ہے

بس شرط یہ ہے کہ شوق سے چلے، آپ نہیں دیکھتے کہ بعض دفعہ باپ اپنے چھوٹے بچے کو سامنے کھڑا کرتا ہے اور کہتا ہے کہ بیٹے چلو اور میرے پاس آؤ، تو باپ کا منشاء یہ ہوتا ہے کہ وہ چلے، باپ سمجھتا بھی ہے کہ وہ چلکر میرے پاس نہیں آسکتا، قدموں میں اتنی طاقت نہیں ہے، باپ یہ دیکھنا چاہتا ہے کہ کوشش کر کے فقط قدم بڑھائے، اب اس نے ایک قدم بڑھایا پھر دوسرا اور جب وہ گرنے لگتا ہے تو باپ لپک کے خود اٹھالیتا ہے، تو حق تعالی کا راستہ طے کرنے کے لئے آدمی کوشش کرے اور قدم اٹھائے اور بڑھائے جب وہ گرنے لگتا ہے تو رحمتِ حق خود ہی اسے آغوش میں لے لیتی ہے۔ (خطبات حکیم الاسلام ج۸ص۲۱۲) اس لئے کہ وہ ارادہ کر کے آگے بڑھنا چاہتا ہے اور کوشش کر کے خدا تعالی کی طرف متوجہ ہونا چاہتا ہے۔

بغیر جذب کے خدا تعالی کا راستہ طے نہیں ہوتا

اسی لئے میں نے اپنے شیخ حضرت مولانا وصی اللہ صاحب رحمہ اللہ سے سنا

وہ فرماتے تھے کہ لوگوں نے خدا تک پہنچنے کے لئے مختلف قدموں کا تذکرہ کیا ہے، مولانا روم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ تک پہنچنا دو قدم کا کام ہے ایک تو اپنے نفس کی خواہشات پر رکھ دے اور دوسرا حق تعالیٰ شانہ کا جو قرب ہے اس پر رکھ دے، حضرت مولانا وصی اللہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ بندے کا خیال یہ ہے کہ دو قدم کی بھی ضرورت نہیں ہے، اور فرمایا کہ ایک قدم نفس پر رکھے تو دوسرا قدم رکھنے کی ضرورت نہیں حق تعالیٰ کی رحمت اسے خود اپنی طرف کھینچ لے گی، تو معلوم ہوا کہ ایک ہی قدم ہے کہ نفس پر رکھ دیا اور ادھر سے فضل ہوگا جذب کی شکل ہوگی اور بغیر جذب کے راستہ طے نہیں ہوتا برسوں آدمی سر مارے اور صدیوں آدمی چکر لگائے مگر خدا تعالیٰ کا قرب اور وصول ممکن نہیں ہے تاوقتیکہ ادھر ہی سے فضل نہ ہو، اس لئے جذب کی کیفیت سے تکمیل ہوتی ہے۔

خاصانِ خدا کی محبت اپنا رنگ لاتی ہے

اور اس کے اسباب میں دعا کو بھی لکھا ہے، تلاوت کو بھی لکھا ہے، محبت شیخ کو بھی لکھا ہے کہ اس سے محبت ہوگی تو خاصانِ خدا کی محبت اپنا رنگ لاتی ہے، اور حق تعالیٰ کے یہاں مقبولیت کی شکل پیدا ہو جاتی ہے، حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ کا واقعہ سنایا تھا میں نے کہ ایک مجلس میں تشریف فرما تھے لوگوں پر توجہ ڈال رہے تھے مقبولیت کی گھڑی ہوگی ایک کتا آکر اُس وقت بیٹھ گیا تو وہ کتا جہاں جاتا تو سارے کتے اُس کو گھیر کر بیٹھتے گویا وہ اپنی قوم میں مقبول ہو گیا۔ (مواعظ درد محبت ص ۱۱۷) اس مقبولیت کی گھڑی میں بیٹھنے کی وجہ سے وہ جہاں جاتا ہے

تو وہی مقبولیت کی شکل۔

آدمی کی ہمیشہ اپنی کمزوریوں پہ نظر ہونی چاہئے

تو حاصل یہ ہے کہ انسان جو ہے وہ بہر حال محتاج ہے مگر انسانی کمزوری یہ ہے کہ وہ ناز اور غرّہ میں آجاتا ہے، کچھ عبادت کرلے تو غرور ہوجاتا ہے، دینی کام کچھ کرلے تو غرور ہوجاتا ہے، دولت کچھ آگئی تو غرور آجاتا ہے، چار آدمی مصافحہ کرنے لگے تو غلط فہمی کا شکار ہوجاتا ہے، بڑا ظرف ہونا چاہئے بلکہ اس معاملہ میں ہمیشہ اپنی کمزوریوں پہ نظر ہو ورنہ ہوتا یہ ہے کہ چار آدمی تعریف کرے تو دھوکہ لگ جاتا ہے، تو ساری زندگی کے احوال اپنے سامنے ہے مگر دوسروں کی تعریف پر سمجھتا ہے کہ کچھ ہوں تبھی تو لوگ تعریف کررہے ہیں، اس لئے حق تعالی کی عظمت بہت بڑی چیز ہے۔

ایک آدمی کا حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کے متعلق اشکال اور اس کا جواب

ایک آدمی نے ایک عالم سے پوچھا کہ حضرت! حضرت گنگوہی رحمہ اللہ اتنے بڑے شخص ہے قطب الاقطاب لیکن جب پوچھے تو یہی کہتے ہیں کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں، اگر وہ صحیح کہتے ہیں تو اتنے بڑے بڑے محدثین، علماء، فقہاء مولانا خلیل احمدؒ، مولانا الیاس صاحبؒ، مولانا تھانویؒ، مولانا مدنیؒ، بڑے حضرت رائپوریؒ جیسے لوگ، اللہ اکبر! تو ایسے ایسے لوگ ان پر جان چھڑکتے

ہیں اور وہ یہ کہتے ہیں کہ وہ کچھ نہیں ہے، تو اگر واقعۃً وہ کچھ نہیں ہے تو اِن کا اُن کو بڑا ماننا غلط ہے، یہ مانتے کیوں ہے؟ اور اگر ان کا ماننا صحیح ہے تو ان کا کہنا غلط ہے کہ میں کچھ نہیں ہوں، دونوں میں سے ایک بات ہوگی۔ (مواعظ درد محبت ص ۳۹۲) جیسے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے اس وقت کے ولی نے کہا یہ خلفاءِ بنو عباسی کا دور ہے غالباً منصور انہوں نے کہا کہ آپ قاضی بن جائیے، امام صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میں اہل نہیں ہوں، تو انہوں نے کہا کہ آپ جھوٹ بولتے ہیں، امام صاحب نے کہا کہ میری بات دو حال سے خالی نہیں ہے، اگر میں سچّا ہوں تو خبر دے رہا ہوں کہ قاضی بننے کا اہل نہیں ہوں، اور اگر آپ کی بات کے مطابق میں جھوٹا ہوں، تو جھوٹا تو قاضی بننے کے لائق ہوتا نہیں ہے، اس لئے سچ مانتے ہو تو اظہار یہ ہے کہ میں اہل نہیں ہوں، اور اگر جھوٹ کہتے ہو تو جھوٹا اہل نہیں ہوسکتا۔ (مقدمہ اوجز ص ۵۵، ملفوظات فقیہ الامت قسط ا ص ۷۱، سیرۃ النعمان ص ۷۶، ۷۷) تو غرض اسی طریقے سے یہاں بھی ان کو جواب دیا گیا کہ لوگ جو مانتے ہیں وہ بھی اپنی جگہ صحیح ہے، اللہ تعالیٰ نے محدث بنایا، مفسر بنایا، فقیہ بنایا، اور روحانیت میں ایسا بنایا کہ گویا وہ رشکِ عالم تھے اور قطب العالم تھے بہت بڑے شخص تھے اللہ تعالیٰ نے ان کو عجیب نوازا ہے، تو لوگ جو مانتے ہیں بڑے بڑے علماء وہ صحیح ہے، اور ان کا یہ فرمانا کہ میں کچھ نہیں ہوں تو حق تعالیٰ کی عظمتوں اور بڑائیوں کے پیشِ نظر وہ یہ کہتے ہیں کہ اُس دربار کے لحاظ سے دیکھو تو کچھ بھی نہیں ہوں۔

کلامِ نبوی کی خوبی

اور وہ ہی کیا انبیاء کرام علیہم السلام کا بھی یہی حال ہے کہ حضورِ اکرم ﷺ سے بڑھ کر اقرب کون ہوگا، وہ فرماتے ہیں کہ ''**ما عبدناک حقّ عبادتک**''، آپ کا حقِّ عبادت ہم ادا نہ کر سکے ''**وما عرفناک حق معرفتک**''، (حصنِ حصین) اور جیسی پہچان چاہئے وہ نہیں کر سکے، لیکن انہی جملوں سے یہ بھی نکلتا ہے کہ گویا حضور ﷺ کو حق تعالیٰ کی معرفت اتنی عظیم تھی کہ اس معرفت ہی کہ نتیجہ میں یہ کہہ رہے ہیں کہ ہم حقِّ معرفت ادا نہیں کر سکے، تو جملہ کی عبارت سے تو معرفت کی نفی ہے، اور جملے کی دلالتوں سے ثبوتِ معرفت ہو رہا ہے۔ (مجالس خطیب الامت ج ا ص ۱۳۹) یہ کلامِ نبوی کی خوبی ہے۔

لیس العید لمن لبس الجدید
وللعید لمن خاف الوعید

تو غرض یہ کہ آج کی رات عید کی رات ہے، اسکے متعلق کتابوں میں لکھا ہے کہ عید اس کے لئے نہیں ہے کہ جس نے صرف اچھے اچھے کپڑے پہن لئے ''**لیس العید لمن لبس الجدید، انما العید لمن خاف من الوعید**''، کہ جو وعید سے ڈرتا ہے اس کے لئے حقیقی عید ہے، **لیس العید لمن جلس البساط، انما العید لمن جاوز الصراط**، اور عید اس کے لئے نہیں کہ جس نے بچھونے اور بساط اچھے اچھے بچھا دیئے بلکہ عید اس کے لئے ہے جو صراط سے متجاوز ہو گیا۔ (خطبات العیدین ص ۶، ۷، ناشر، جامعہ حسینیہ راندیر، سورت) تو

بساط کا افتراش یہ کچھ نہیں ہے، پل صراط سے گزر جائے تو وہ عید ہے، اور بھی بہت ساری نصیحتیں لکھی ہیں سب کا حاصل یہی ہے کہ جو حقائقِ مطلوبہ ہیں وہ اگر آگئے تب تو عید ہے، ورنہ کچھ بھی نہیں ہے، مسلمان ہونے کے ناطے اسے ایمان کی دولت ملی ہے یہ بہت بڑی چیز ہے، اس اعتبار سے تو خیر حق ہے، بلکہ عید کی خوشی منانی ہی چاہئے، یہاں تک کے کوئی تقوی کے ہیضہ میں روزہ رکھ لے تو اسے حرام قرار دیا گیا ہے۔ (سنن ابن ماجہ شریف، حدیث نمبر ۱۷۲۱) بلکہ عید آئے اور وہ خوشی کا اظہار نہ کرے تو اسے ناپسندیدہ قرار دیا گیا ہے اس لئے کہ شریعت نے سارے پہلوؤں کا لحاظ کیا ہے۔

اہل اللہ کے ملفوظات کو ان کی صحبت کا بدل قرار دیا گیا ہے

تو حاصل یہ ہے کہ ہم سب محتاجِ نصیحت ہے، اسی لئے کسی صالح کی صحبت کسی بزرگ کی صحبت اختیار کرنی چاہئے اور کسی مجبوری سے نہ کر سکے تو ان کے ملفوظات کو ان کی صحبت کا بدل قرار دیا گیا ہے کہ اہل اللہ کے ملفوظات دیکھے، ارشادات دیکھے تو اس سے بڑا نفع ہوتا ہے، بعض دفعہ ایک ہی جملہ سے دل کی کایا پلٹ جاتی ہے، زندگی بدل جاتی ہے کوئی وقت ہوتا ہے ایسا کہ جس میں ایک جملہ زندگی کا حال بدل دیتا ہے، فضیل بن عیاض رحمہ اللہ بہت بڑے ڈاکو تھے مگر جس زمانے میں ڈاکا ڈالتے تھے اس زمانہ میں بھی تکبیرِ اولی فوت نہیں ہوتی تھی، اور نماز کبھی بلا جماعت نہ پڑھتے۔ (مخزن اخلاق ص ۱۸۳) یہ عجیب کیفیت ہے، بلکہ یہی تکبیرِ اولی انہیں لے آیا ادھر، کسی جگہ ڈاکا ڈالنے گئے وہاں کوئی

آدمی قرآنِ کریم پڑھ رہا تھا اور یہ آیت پڑھ رہا تھا ''الم یان للذین آمنوا ان تخشع قلوبهم لذکر الله،، (سورۂ حدید، آیت نمبر ١٦) کیا اہلِ ایمان کے لئے وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے قلوب اللہ تعالیٰ کے ذکر سے نرم ہو جائے خدا تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو، اثر لے، بس ہدایت کا وقت تھا کان میں آواز پڑی فرمایا کہ ''قد حان،، آچکا وقت، اوراس کے بعد توبہ کی۔ (اللہ تعالیٰ بندوں سے کتنی محبت کرتے ہیں، ص ٣٧٦، تذکرۃ اولیاء) تو ایسے ہوئے کہ اس زمانہ کے بڑے بڑے لوگ ان سے دعائیں کراتے تھے مستجاب الدعوات تھے عبّاد اور زہّاد جو ہے ان کی طرف متوجہ ہوتے تھے اوران سے دعائیں کرواتے تھے۔

ما لی ھٰذا خُلقت

میں نے اپنے حضرت سے سنا ایک مجلس میں فرمایا کہ ایک شخص ہرن کے شکار کے لئے گئے ہدایت کا وقت آگیا تھا تو ہرن کھڑا ہوا، پہلے دوڑتا رہا، پھر ٹھیر گیا اور ٹھیر کر کہا ''ما لی ھٰذا خُلقت،، تم اس مقصد کے لئے نہیں پیدا کئے گئے ہو اللہ تعالیٰ کی شان ہے کہ ہرن بھی بولے، آج کل جو ہے لوہا، پیتل، بول رہا ہے اور پلاسٹک بول رہا ہے تو اللہ تعالیٰ ہرن سے بُلوا دے تو کون سے تعجب کی بات ہے، حدیث شریف میں ہے کہ اخیر زمانہ میں جوتے کا تسمہ اوراس کی پٹی بھی بات کرے گی۔ (ترمذی شریف، ابواب الفتن، حدیث نمبر ٢١٧٨) اور ویسے آپ ٹیلیفون کو دیکھے تو کچھ کچھ تشابہ تو جوتے سے معلوم ہوتی ہی ہے۔

رمضان ایک میٹر اور معیار ہے وہ جس شان کے ساتھ گذرے گا سال بھر اس کے اثرات ہوں گے

تو منشاء یہ ہے کہ آدمی خدا تعالی کی طرف متوجہ ہو، تو ہم کو چاہئے کہ اس کی توفیق سے رمضان المبارک میں جو بھی ٹوٹا پھوٹا عمل ہوا کرنے والے تو بڑے لوگ بے چارے جا چکے ہیں، ان کے حالات دیکھ کر بھی عجیب کیفیت ہوتی ہے، لیکن پھر بھی اس گئے گزرے دور میں ہم جیسے غافلوں سے جو بھی کچھ ہو گیا اس کی دعا کرنی چاہئے کہ حق تعالی قبول فرمالے، اور رمضان المبارک کی برکات بعد میں بھی باقی رہے، اس لئے شوال کے چھ روزے آدمی رکھ لے تو تیس اور چھ چھتیس ہوتے ہیں اور ادنیٰ نیکی جو ہے وہ ایک کے بدلے دس ہے تو تین سو ساٹھ دن تک گویا اس کے اثرات رہتے ہے، اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اور مجددالفِ ثانی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ رمضان المبارک ایک میٹر اور معیار ہے وہ جس شان کے ساتھ گذرے گا سال بھر اس کے اثرات ہوں گے۔

دن بھر کا بھٹکا ہوا شام گھر آئے تو محروم نہیں ہوتا

تو بہر حال! اگر کوتاہیاں بھی ہوئی ہے تو شام کا وقت ہے گویا دن بھر کا بھٹکا ہوا شام گھر آئے تو محروم نہیں ہوتا، تو یہ لیلۃ الجائزۃ انعام کی رات ہے اللہ تعالی سے امید کرنا چاہئے، بعض دفعہ ہوتا ہے آپ نے دیکھا ہوگا ہم نے اپنے بچپن

میں دیکھا بعض لوگ جو ہے بچوں کو شیرینی تقسیم کرتے تھے کہ ''آورے بچوں بانٹوں، بال پکڑ کے کانٹوں،،اب اس میں وہ بچے بھی آتے تھے جن کو وہ چاہتے ہیں اور بعض ان میں ایسے بھی آجائیں جن کو وہ نہیں چاہتے تھے لیکن وہ دینے پہ آئے تو اس صورت میں انہیں اچھا معلوم نہیں ہوتا کہ یہ دوسرا جو ہاتھ پھیلا رہا ہے اس کو محروم رکھوں،تو یہ عید کی رات میں جہاں کاملین ہاتھ پھیلائیں گے وہاں ہم جیسے گنہگار بھی جب ہاتھ پھیلائیں گے تو حق تعالی انشاء اللہ محروم نہیں فرمائیں گے،اس لئے دعا کرنی چاہئے۔

بزرگوں کی یہی خواہش ہوتی ہے کہ خدا کے بندوں کا خدا تعالی سے جوڑ ہو جائے

اور ایک بات اور سن لے، میں نے اپنے حضرت سے سنا بڑی عجیب بات فرمایا کہ: تہجد کے وقت حق تعالی کی طرف سے ندا ہوتی ہے،فرمایا تم کو میں اگر پکاروں اور تم جواب نہ دو تو مجھے کتنی گرانی ہوگی،کتنی تکلیف ہوگی،تو احکم الحاکمین آسمانِ دنیا پر نزول فرما کر پوچھے کہ ہے کوئی شفاء کا طالب، ہے کوئی دولت کا طالب، ہے کوئی گناہوں کی معافی کا طالب۔ (متفق علیہ،فضائل دعا ص۱۲۴، طریق السالکین شرح ریاض الصالحین ج۲ص۶۱۷) تو ادھر سے اتنی عنایتیں اور ہماری طرف سے بے توجہی،تو حضرت فرماتے تھے کہ بیماری ہو،تکان ہو،کوئی عذر ہو تو لیٹے لیٹے ہی قلب سے دعا کرلے کیسی عجیب بات، بڑے لوگ واقعی مایوس نہیں کرتے فرمایا استنجاء جانا،وضو کرنا، اگر اس کی توفیق نہیں ہو رہی ہے، کرے تب تو

سبحان اللہ، ورنہ بیٹھ جائے اور بیٹھے بیٹھے دعا کر لے، یا اگر وہ بھی نہیں کر سکتا تو دل ہی دل میں دعا کر لے کہ اے مولی! آپ کی رحمت کا وقت ہے اور میں غافل ہوں اپنے فضل سے آپ مغفرت فرما دیجئے، واقعی بڑے حضرات جو ہے کبھی مایوس نہیں کرتے اور عجیب عجیب انداز سے چاہتے ہے کہ خدا تعالی کے بندوں کا خدا تعالی سے جوڑ ہو جائے، تو بہر حال یہ مانگنے کی رات ہے۔

اہل اللہ کا تذکرہ یہ اللہ کے لشکروں میں ایک لشکر ہے

تو بہر حال میں عرض کر رہا تھا کہ بزرگوں کے ملفوظات دیکھے، ان کی سوانح دیکھے ان سے کتنے لوگوں کی زندگیاں بدل گئی، حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ اہل اللہ کا تذکرہ یہ اللہ تعالی کے لشکروں میں ایک لشکر ہے اس سے قلوب کو تقویت ہوتی ہے، اور قرآنِ کریم میں ہے ''**وکلا نقص علیک من انباء الرسل ما نثبت به فوادک**،، (سورۂ ھود، آیت نمبر ۱۲۰) کہ ہم جو نبیوں کی خبریں آپ کو سناتے ہیں اس سے ہم آپ کے قلب اور فواد جو اندرونی حصہ ہے اس کی تسکین کرتے ہے، تو اہلِ قلوب کی مجلس بہت بڑی چیز ہے۔

گرچہ ذرہ ایم ولیکن نسبتِ ایست از بزرگ

اور آپ لوگوں میں سے کسی کو میرے باب میں یہ غلط فہمی ہوئی ہو کہ یہ اہلِ قلوب ہے، تو ان سے میں درخواست کروں گا کہ اس کی دعا بھی کر دیجئے کہ حق تعالی مجھے اہلِ دل بنا دے، باقی آپ لوگوں کو میں اپنے سے لاکھ درجہ اچھا سمجھتا ہوں، اور میں شرمندہ ہوں اپنی زندگی پر، اس لئے کہ میں نے جن لوگوں کو

دیکھا ہیں ان کی زندگیاں عجیب تھیں، البتہ یہ ضرور ہے کہ ’’گرچہ ذرہ ایم ولیکن نسبتِ ایست از بزرگ،، ہم اپنی ذات سے کچھ نہیں ہے باقی صالحین کی جوتیوں میں بیٹھے ہیں اور ان کی شفقتیں رہی ہیں، تو اس کی برکتیں ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا کہ جس ملک میں جاتے ہیں تو الحمدللہ اس کا اثر دیکھتے ہیں، تو حقیقۃً وہ شئی ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ایک دعا

اسی لئے حضرت فرماتے تھے کہ تبرک بنانے کی چیز یا عظمت کی چیز وہ درحقیقت نسبت اور تعلق مع اللہ ہے، بدن کی چیزیں کچھ نہیں ہے اصل وہ چیز ہے، اسی کی وجہ سے چیزوں میں بھی برکت آجاتی ہیں، تو حق یہ ہے کہ لوگ کسی کو مانے، چاہے، اور متوجہ ہو اس کے لئے تو بس ڈوب مرنے کی بات شرمندگی کی بات ہے، اس لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہیں کہ جب کوئی تعریف کرتا تو روتے تھے، فرماتے تھے یا اللہ! میرے اندرونی حال کی انہیں خبر نہیں ہے آپ اس پر مواخذہ اور پکڑ نہ فرمائے، اور ان کے گمان کے مطابق مجھے کردے، تو وہ بڑے لوگ تھے۔

یہ وہ شخص ہے جو رات بھر جاگتے ہیں

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے بارے میں ہے، واقعی یہ کیسے لوگ تھے ایک مرتبہ جارہے تھے کچھ بچیاں باتیں کررہی تھیں کہ یہ وہ شخص ہے جو رات بھر جاگتے

ہیں، تو ان کے حالات میں لکھا ہے کہ اس کے بعد سے رات میں وہ کبھی بھی نہیں سوئے، اس خیال سے کہ قیامت میں لوگ یہ کہیں کہ ہم سمجھتے تھے کہ یہ رات بھر جاگتے ہیں اور ان کی یہ کیفیت ہے۔

(اخبار ابی حنیفہ واصحابہ ص ۴۱، ائمہ اربعہ کے دلچسپ واقعات ص ۷۶)

زندگی کی قدر کریں، اور تقوی اختیار کریں

تو خیر، وہ تو بہت بڑے درجہ کے لوگ تھے تو ہم لوگ ہم سے اتنا ہی ہو جائے کہ ہم اس کی طرف رجوع کرے، معاصی سے بچے، تقوی اختیار کرے تو بڑی بات ہے، تو زندگی جو ملی ہوئی ہے اس کی قدر کرے، کچھ پتہ نہیں کس گلی میں زندگی کی شام ہو جائے، شاعر تو اپنے محبوب سے کہتا ہے کہ ؎

اجالا اپنی یادوں کا ہمارے ساتھ رہنے دو
نہ جانے کس گلی میں زندگی کی شام ہو جائے

تو کب موت آجائے، اور کب وقتِ اخیر ہو جائے کچھ نہیں کہا جا سکتا، تو حق تعالی شانہ ہم سب کو اپنی طرف توجہ کرنے کی توفیق نصیب فرمائے، حقوق العباد سے سبکدوش ہونے کی توفیق نصیب فرمائے، ایمان کی حفاظت، نگاہ کی حفاظت خیال کی حفاظت ان سب چیزوں کی حق تعالی توفیق عطا فرمائے، اور جب وقتِ اخیر ہو تو اللہ تعالی ہم کو اپنے فضل وکرم سے حسنِ خاتمہ سے نوازے، اور حسنِ خاتمہ سے مالا مال فرمائے، آمین۔
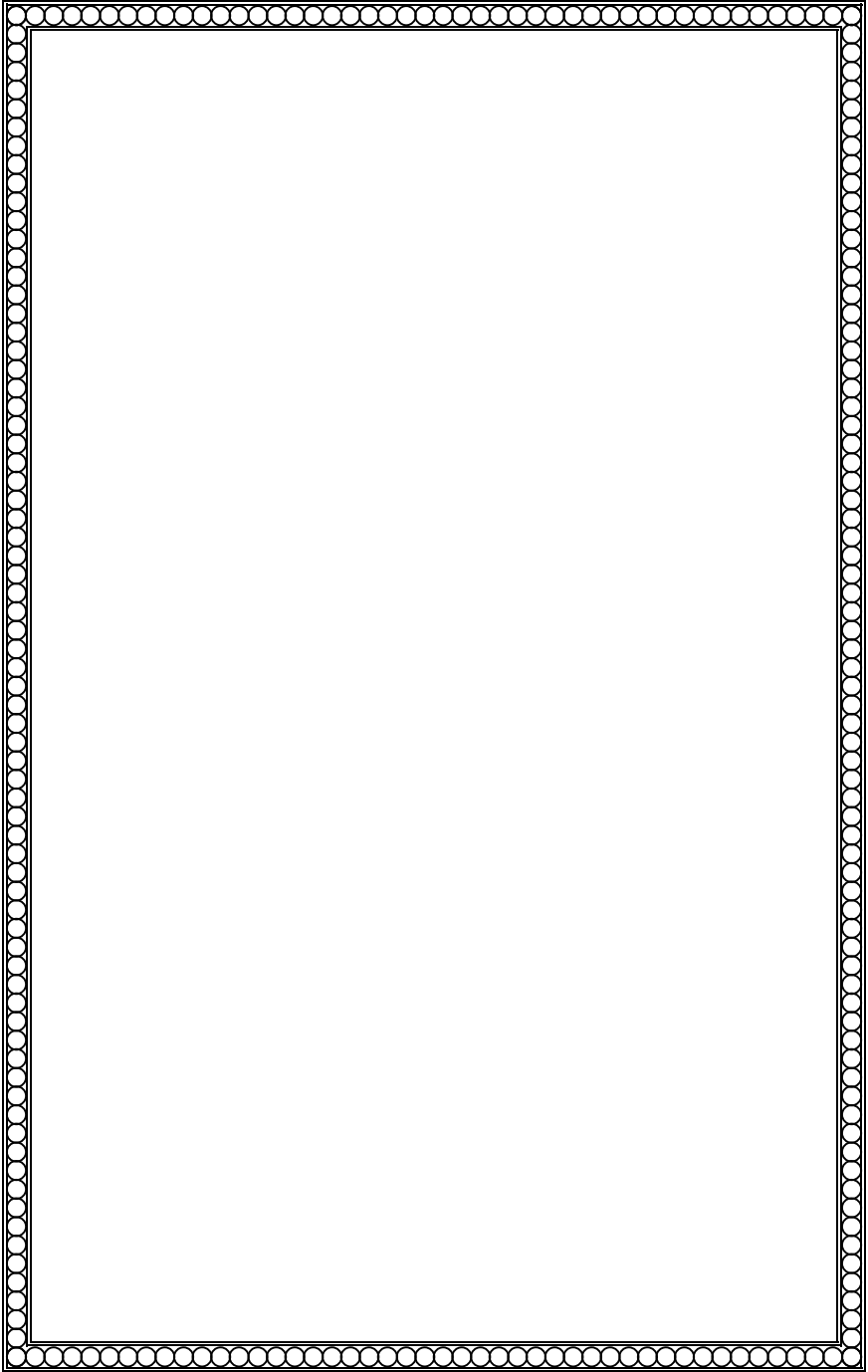
مجلس نمبر ۱۸

ولایت کی دو بنیادیں ہیں ایمان اور تقوی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ان الذین کفروا کے بےقراری اور بےلطفی کی وجہ ایمان سے محرومی ہے

فرمایا کہ: ایمان بہت بڑی نعمت ہے، اسکی اہمیت کو ایک مثال سے سمجھے، کوئی شخص ٹرین کے اے گریڈ ڈبہ میں سفر کر رہا ہو مگر اس کے پاس ٹکٹ نہ ہو، اور کوئی پولیس پارٹی آجائے تو پھر اسکی کیا کیفیت ہوگی؟ تو اس کے لئے یہی شکل ہے کہ وہ بیت الخلاء میں جا کر ہی اطمینان حاصل کرے گا، وہ سمجھے گا کہ پوری ٹرین میں اس سے زیادہ اطمینان کی جگہ کوئی نہیں ہے، اور اگر ٹکٹ اس کے پاس موجود ہے تو پھر وہ دروازہ پر ہو اور سلی کو پکڑ کے لٹکا ہو اور چاہے پوری پولیس پارٹی آجائے اور اس کے ڈبہ میں گھوس جائے اسے اطمینان ہے، حالانکہ نہ بیٹھنے کی جگہ، نہ ٹھکانہ سے کھڑے رہنے کی جگہ سلی کو پکڑ کے وہ لٹکا ہوا ہے مگر اس کے جیب میں ٹکٹ موجود ہے لہذا وہ بہت اطمینان کی حالت میں ہے، ٹھیک اسی طریقہ سے دنیا کے یہود و نصاری ہو، مشرکین و کافرین ہو اور ان کے پاس دولتوں کی ہزاروں جھنکاریں موجود ہوں مگر ان کے پاس ایمان نہ ہونے کی وجہ سے ایمان کا پروانہ نہیں ہے اس لئے بیقراری بےکیفی اور بےلطفی کی بات ہے۔

جنت کا ماحول دیکھنا ہو تو طلباء کو جا کر آپ دیکھ لے

اور اس سے ہٹکر آپ دیکھے کہ کچھ بھی نہیں ہے مگر اطمینان ہے، طالبِ

علمانہ زندگی ہم نے دیکھی ہے اسی لئے جنت کی وہ فضا جس کے باب میں ذکر کیا گیا کہ نہ خوف ہے، نہ حزن ہے، پڑھنے کے زمانہ میں جو فضا ہوتی ہے وہ ایسی ہی ہے طلباء کو جو ہے نہ خوف ہوتا ہے نہ حزن ہوتا ہے، اور اگر جمعرات آگئی تو کیا آپ لوگوں کو انگلینڈ میں وہ خوشی ہوگی جو طلباء کو نصیب ہوتی ہے کڑکی کے نقشوں میں، کڑکی کے نقشوں میں خدا تعالی وہ لذت نصیب فرماتے ہیں کہ انگلینڈ، افریقہ، اور امریکہ کے ڈالر و پاؤنڈ میں وہ لذت نہیں ہے جو پڑھنے کے زمانہ میں دارالاقامہ میں ہم لوگوں کو لذت آتی تھی یا جنہیں آتی ہے کہ اگر جمعرات آگئی پھر ان سے بڑھ کر کوئی بادشاہ نہیں، اور اگر دس روپیہ کا منی آرڈر آگیا تو بڑے بڑے ملینیر اور بلینیر ان کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتے ہے، اس کی خوشی کو آپ پوچھئے ،تو وہ معمولی کھانا کھاتے ہے، معمولی کمروں میں رہتے ہیں، معمولی حالت میں ہے، مگر خوف کے اعتبار سے اور حزن کے اعتبار سے بالکل بادشاہ ہے کہ فقیری میں شاہی جسے کہتے ہے کہ نہ امروز و فردا کی فکر ہے، کوئی فکر نہیں ہے ،اور جنت کے لباس کا نقشہ آپ دیکھنا چاہے کہ جنت کے لباس کبھی میلے نہیں ہوں گے جنت کے لباس میں میل کچیل نہیں ہوگا تو دنیا میں اس کا نقشہ اگر آپ دیکھے تو پرندوں کے بالوں کو دیکھ لیجئے، آپ کسی مینہ کو دیکھ لے، کسی فاختہ کو دیکھ لے، کسی تیتر بٹیر کو دیکھ لے معلوم ہوتا ہے ابھی غسل کر کے جناب تشریف لائے ہے، کبھی لباس میں میلا پن ہی نہیں آتا ہے، تو جنت کا لباس سمجھنا ہو تو ان پرندوں کو دیکھ لو، اور جنت کا ماحول دیکھنا ہو تو طلباء

کو جا کر آپ دیکھ لے، بڑا عجیب وغریب ماحول۔

ہر جگہ کی ایک مستقل دنیا ہے

بلکہ ایک جگہ میں نے ازراہِ مذاق یہ بات کہی کہ شہروں کا گندا ماحول تو ایسا ہے کہ جی چاہے کہ ہم پڑھے ''لا حول ولا قوۃ الا باللہ،، اور دیہاتوں میں سنّاٹا ہے تو وہاں کا ماحول ''انا للہ،،تو شہروں میں تو ''لا حول ولا قوۃ الا باللہ،،اور دیہاتوں کے اندر ''انا للہ،،اور خانقاہ کے اندر ''الا اللہ،،اور تبلیغ کے اندر ''ماشاء اللہ،،ہر جگہ کی ایک مستقل دنیا ہے کہ جہاں پر یہی ضربیں لگتی رہتی ہے ''الا اللہ،الا اللہ،،کی،تو حاصل یہ ہے کہ خوف کی کیفیت نہیں ہوگی۔

قرآنِ کریم نے تقوی کو لباس سے تعبیر کیا ہے

فرمایا کہ: حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ولایت کی دو بنیاد یں ہیں،قرآنِ کریم میں ہے ''الذین آمنوا و کانوا یتقون،،(سورۂ یونس،آیت نمبر۶۳) (مواعظ درد محبت ص۱۱۶)ان کی صفت یہ ہے کہ ایمان لائے اور اس کے ساتھ تقوی اختیار فرمائے،قرآنِ کریم نے لباس کو تقوی سے تعبیر کیا ہے،علامہ ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ نے اس سلسلہ میں ایک عجیب نکتہ لکھا ہے اس کو پڑھ کر طبیعت جھوم اٹھی،وہ فرماتے ہیں کہ کوئی بہت بڑا مجمع موجود ہو اور شریفوں کا مجمع ہو اور آپ سے کوئی کہے کہ کرتہ، پاجامہ، چڈّی سب اتار کر ننگے ہو کر آپ مجمع میں سے گذریئے، کیا گذرے گی آپ اندازہ لگائیے، تصور کر سکتے ہیں

آپ، جان نکل جائے گی یہ سن کر، ناممکن سمجھے گا آدمی کے گویا اس کام کو اختیار کرے ،تو کہنے کا منشاء یہ ہے کہ جب شریفوں کے مجمع میں برہنہ نہیں جاتے تو وہ لکھتے ہیں کہ روح کا لباس حقیقۃً تقوی ہے،اور جس نے تقوی اختیار نہیں کیا اس کی روح ننگی ہے۔ (معارف القرآن کاندھلوی) تو فرمایا کہ جب انبیاء علیہم السلام اور صالحین کی ارواح مجتمع ہوگی اس مقام سے اس کی روح کو جب گذارا جائے گا جس وقت اس کی روح کو بلایا جائے گا اور وہ تقوی کے لباس سے ننگی ہوگی تو کتنی شرم اس پر طاری ہوگی، اس کا اندازہ لگائیے ،حیا کی کیا کیفیت اس پر طاری ہوگی ،اس لئے کہ روح کا لباس تقوی ہے،ایک تو ہمارے بدن کا ظاہری لباس ہے اور اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ ہماری شرمگاہ چھپتی ہے اور زینت حاصل ہوتی ہے گرمی سے بچتے ہے، ٹھنڈی سے بچتے ہے (طریق السالکین ج۲ص۲۶۳) اور نہ معلوم کیا کیا تجمّل کی شکل ہے،اور روحانی لباس جو ہے وہ در حقیقت تقوی ہے اسی لئے کوئی شخص کپڑے کی میل کا مالک ہو مگر تقوی اس کے پاس نہیں ہے تو وہ روحانی اعتبار سے ننگا ہے۔ (معارف القرآن کاندھلوی ج۲ص۱۰۵)

پہلے کیا پہنے، کرتہ یا پاجامہ؟

یہی وجہ ہے کہ قرآنِ کریم نے آٹھویں پارے میں تقوی کا ذکر کیا، لباس کا ذکر کیا ''یبنی آدم قد انزلنا علیکم لباسا یواری سو آتکم وریشا،، (سورۂ اعراف، آیت نمبر ۲۶) ہم نے لباس نازل کیا اور جو چیز نازل ہوتی ہے وہ اوپر سے نیچے نازل ہوتی ہے۔ (حوالا بالا) اسی لئے بعض علماء لکھتے ہیں کہ کرتہ

پہلے پہننا چاہئے اور پاجامہ بعد میں، اس لئے کہ قرآنِ کریم نے انزال کا لفظ ذکر کیا ہے، ہوسکتا ہے کہ بعض یہ بھی کہے کہ پاجامہ پہلے پہنے اس لئے کہ اوپر سے بارش ہوئی ہے لیکن یہاں سے جو روئی اُگی ہے کپاس وہ نیچے سے اوپر کی طرف چلی ہے، مگر ستر کی کیفیت ہے کہ اوپر سے نیچے کی طرف۔

ولباس التقوی ذلک خیر

اور اس کے بعد فرمایا کہ یہ تو حسی لباس ہے،، معنوی لباس لباسِ تقوی ہے ''ولباس التقوی ذلک خیر،، کہ تقوی کا لباس وہی بہتر لباس ہے اور وہی حقیقۃً لباس ہے۔

حق تعالی نے عجیب انداز سے ہم کو شیطانی چالوں سے بچایا ہے

اور اس سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام سے ایک بات ہوئی تھی جس کے نتیجہ میں جنت کا لباس ان سے چھوٹ گیا تھا لباس ان کے بدن سے اتار دیا گیا تھا، جبرئیل و میکائیل تشریف لائے سر کا تاج ان کا اتارا اسکے بعد جنت کے لباس ان سے ہٹے ہیں تو پتوں سے انہوں نے اپنے جسم کو چھپایا، معلوم ہوا کہ معصیت کی وجہ سے وہ لباس ہٹ جاتا ہے جو اس عالم کا لباس ہے اور تقوی کی وجہ سے وہ برقرار رہتا ہے، اور اس میں ایک بات اور بھی لکھی ہے کہ حق تعالی نے عجیب انداز سے ہم کو شیطانی چالوں سے بچایا ہے، اس کو ایک مثال سے سمجھیں کوئی آدمی کسی سے یوں کہے کہ فلاں سے دوستی مت کرنا وہ فلانا ایسا

ہے کہ اس نے تمہارے باپ کو گھر سے نکلوایا اور کوئی گجراتی ہو تو وہ کہے گا وہ تو ننگا کر دے ایسا آدمی ہے تو اس کو بڑا غصہ آئے گا، ہیں، والد صاحب کے ساتھ ایسا کیا کہ ان کو گھر سے بھی نکالا اور ان کے کپڑے بھی اتروا دیئے، قرآنِ کریم نے بڑے حکیمانہ اسلوب کے ساتھ شیطان سے نفرت پیدا کروانے کا ذکر کیا فرمایا کہ ابلیس وہ ہے کہ جس کی حرکتوں کے نتیجہ میں اور جس کی چالوں کے نتیجہ میں تمہاری اماں اور ابا جن کا مکان اور مقام جنت تھا وہ چھوٹا اور بدن کے کپڑے ان کے ہٹ گئے، تو وہ تو مکان سے نکلوائے اور ننگا کرے اس قسم کا ہے، لہٰذا اس سے دوستی کرنا بڑی نادانی اور انتہائی حماقت کی بات ہے۔

(معارف القرآن کاندھلوی ج ۲ ص ۱۰۶)

تقوی کی کئی قسمیں ہیں

فرمایا کہ اہلِ ولایت وہ ہے جو ایمان لائے اور تقوی اختیار کرے، اب آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ تقوی کی کئی قسم ہیں، ایک تقوی یہ ہے کہ صغائر سے بچ جائے، ایک تقوی سب سے ادنی یہ ہے کہ آدمی کفر سے بچ جائے اس کے بغیر تو تقوی کا کوئی درجہ ہی نہیں ہے، اس کے بعد صغیرہ گناہوں سے اس کے بعد کبیرہ گناہوں سے یہاں تک کہ مشتبہات سے بھی بچے۔ (انعام الباری، مجالس حکیم الاسلام ج ۲ ص ۶۷، ۶۸) اس زمانہ میں چونکہ عام طور پر حالات بڑے عجیب ہے، آج کے اس دور میں حرام سے آدمی بچ جائے تو متقی ہے، مگر ہم دیکھتے ہیں کہ تقوی پر کوئی اثر نہیں پڑتا، اگڑم بگڑم جو سمجھ میں آیا وہ کماؤ، اگڑم بگڑم جو سمجھ میں آیا وہ کرتے رہو، جو چاہو بولو، جہاں چاہو دیکھو، جو چاہو سوچو

جو چاہو کرو سب کرنے کے بعد بھی حضرتِ تقوی ہے کہ اس پر کوئی اثر نہیں پڑتا وہ بالکل اسٹیل کا بنا ہوا تقوی ہے اس پر کوئی اثر ہی نہیں ہوتا کوئی چیز اس کو متاثر نہیں کرسکتی ساری چیزوں کے باوجود تقوی باقی ہے۔

تقوی کا مسئلہ بڑا نازک ہے

حالانکہ تقوی کا مسئلہ بڑا نازک ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک صحابی سے اور اسی طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ بھی ہے متعدد واقعات ہے پوچھا گیا کہ تقوی کی کیا تعریف ہے، فرمایا کبھی خاردار جھاڑیوں سے گذر ہوا ہے، انہوں نے کہا کہ ہاں، فرمایا کیسے گذرے، کہا دامن کو سمیٹتے ہوئے ہم گذر گئے، فرمایا کہ یہی تقوی ہے کہ اس عالم میں جو کانٹے ہیں کہیں شہوتوں کے کانٹے ہیں، کہیں محرمات کے کانٹے ہیں، کسی مقام پہ شرک کے کانٹے ہیں ان سب چیزوں سے دامن کو بچاتے ہوئے گذر جائے یہ درحقیقت تقوی ہے۔ (خزینہ ص ۴۹، ملفوظات فقیہ الامت قسط ۲ ص ۴۸) تو دو صفتیں بیان کی گئی ''الذین منوا و کانوا یتقون،، یہ ولی کی علامت ہے۔

مجاذیب دنیائے ولایت کے بچے ہیں

اور اب لوگوں کا حال یہ ہے کہ کوئی دھوپ میں کھڑا ہو کہ اول پھول بکتا ہو وہ بہت بڑا ولی ہے، حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ ایک آدمی نے مجھ سے پوچھا کہ یہ صاحب جو سڑک پر ننگے پڑے ہوئے ہیں یہ پہنچے ہوئے ہیں کہ نہیں، حضرت نے فرمایا کہ جب میرے کہنے سے وہ

پہنچے ہوئے ہو جاتے ہیں اور میں کہدوں کہ وہ پہنچے ہوئے نہیں ہیں، تو تم مجھی کو تسلیم کرلو میری بات مان لو جو میں بتاتا ہوں اس لئے کہ اسکے پہنچے نہ پہنچے ہونے کا معیار و میٹر تو تم مجھے قرار دیتے ہو، تو میں جو بات کہتا ہوں اس بات کو تم اختیار کرلو۔ (مجالس خطیب الامت ج ا ص ۱۱۵) حق یہ ہے کہ یہ جو اس قسم کی چیزیں ظاہر ہوتی ہے وہ دنیائے ولایت کے بچے ہیں، ایک مثال میں آپ کے سامنے پیش کروں حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی بڑی عجیب ہے، فرمایا ایک بادشاہ ہو اور اس نے دربار سجا رکھا ہو اور بادشاہ کا ایک بڑا بیٹا ہے وہ دیکھتا ہے کہ یہ میرے باپ ہے، مگر اسکے ساتھ وہ بادشاہ بھی ہے اور ان کے ساتھ درباری لوگ موجود ہیں حکمران افسران ہیں لہذا دربارِ شاہی کا لحاظ میرے لئے ضروری ہے، اور ایک چھوٹا بچہ ہے باپ کا وہ آتا ہے اور آنے کے بعد گود میں بیٹھتا ہے، اور باپ کی ڈاڑھی کھینچتا ہے، اس کا تاج کھینچتا ہے، روتا ہے، ضد کرتا ہے، پیسہ مانگتا ہے سُویٹ مانگتا ہے غرض کسی چیز کی ضد کرتا ہے باپ اس کی ضد پوری کردے گا اسکی من مانی پوری کردے گا مگر آپ کو یہ معلوم ہونا چاہئے کہ گریڈ اور منصب سونپنے کی نوبت آئے گی اپنے مشن کے ترجمانی کرنے کی نوبت آئے گی اپنے حکومتی مفاد کو حاصل کرنے کے لئے اس بات کو پہنچانے کی ضرورت پیش آئے گی تو یہ منصب، یہ گریڈ، اور یہ مقام، چھوٹے بچے کو جو ضدی ہے نہیں دیا جا سکتا، اسی کو دیا جائے گا جو تمام آدابِ شاہی کو ملحوظ رکھتا ہے اس کا لحاظ کرتا ہے حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے تھے یہ جتنے مجذوب قسم کے لوگ ہیں یہ دربارِ خداوندی کے اطفال ہیں لیکن جب ارشاد کا مقام آئے گا اور ہدایت کا کام لیا

جائے گا اور لوگوں کی اصلاح کا کام لیا جائے گا اس موقع پر ان اطفال سے کام نہیں لیا جائے گا ان مجاذیب سے، اس مقام پر تو انہیں لوگوں کو بٹھایا جائے گا جو خداوندی احکام کی رعایت کرتے ہیں اور شریعتِ مطہرہ کا لحاظ کرتے ہیں اور ان کا حال یہ ہوتا ہے۔ (خطبات حکیم الامت ج ۵ ص ۱۵۲)

بر کفے جامِ شریعت بر کفے سندانِ عشق
ہر ہو سناکہ نداند جام و سنداں باختن

ولایت کی دو علامتیں ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اس کو عام کر دیا ہے

تو ولایت کی دو علامتیں ہیں، ایک ایمان، دوسرا التقوی، اس سے معلوم ہوا کہ قرآنِ کریم نے اس کو عام کر دیا ہے لہٰذا یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ پچھلے زمانہ میں بزرگ تھے اس زمانہ میں بزرگ نہیں ہو سکتے ہیں، نہیں، بلا شبہ آج بھی آدمی بزرگ بن سکتا ہے۔

پچھلے زمانہ میں بیس بیس سالہ محنت پر خدا تعالیٰ جو عطا فرماتے تھے وہ اس زمانہ میں دو سال کی محنت پر عطا فرماتے ہیں

بلکہ اپنے بزرگوں سے سنا ہے کہ پچھلے زمانہ میں بیس بیس سالہ محنت پر خدا تعالیٰ جو عطا فرماتے تھے وہ اس زمانہ میں دو سال کی محنت پر عطا فرماتے ہیں، فتنوں کا زمانہ، رکاوٹوں کا زمانہ، آزمائشوں کا زمانہ، معاصی کا زمانہ جس کے

متعلق آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایک زمانہ آئے گا جس میں دین پہ جمنا ایسا دشوار ہوگا جیسے اپنے ہاتھ میں چنگاری لینا۔ (ترمذی شریف، ترجمان السنۃ ج ۴ ص ۲۷۳) تو یہ فتنہ کے دور میں بچنا معمولی بات نہیں ہے۔

لوگوں کی ایک غلط سوچ

اور واقعۃً اس قسم کے لوگوں کو لوگ بیوقوف سمجھتے ہیں، لوگ کہتے ہیں کہ اب گیا وہ زمانہ تقوی کا، گیا زمانہ بھولے پن کا اور سادہ پن کا، اب تو وہ ہوشیار ہے جو لوگوں کو الّو بنائے دھوکہ دے، جعل سازی کرے، چالبازی کرے۔

قرآنِ کریم کے معیار میں سب سے بڑا آدمی وہ ہے جس میں دو صفتیں موجود ہو

حالانکہ قرآن کریم کے معیار میں سب سے بڑا آدمی وہی ہے جس میں ایمان جتنا زیادہ ہو اور تقوی جتنا زیادہ ہو وہ ولی ہے، اور اگر ایسا نہیں ہے تو وہ صورتِ ولی ہے، لفافہ ہے اور اندر فانفا (یعنی خالی ہے، اندر کچھ بھی نہیں ہے)ہے، گولڈن کور ہے اور اندر نجاستیں بھری پڑی ہے، اس لئے ضرورت ہے کہ اس حقیقت کو پہچانا جائے، تو اگر خوف سے بے خوف ہونا چاہتا ہے آدمی، اور حزن وغم سے آدمی دور رہنا چاہتا ہے تو اس کے حصول کا سب سے بڑا ذریعہ یہی ہے کہ ایمان کو مضبوط کرے اور تقوی کا اہتمام ہو۔

آدمی اگر کسی کام سے بچنا چاہے
تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد کی جاتی ہے

اور ایمان جب آجاتا ہے تو پھر نظر اسی پر ہوتی ہے، ایک بزرگ تھے ان کے پاس ایک آدمی آیا کہا، حضرت! میری لڑکی کی شادی ہے اور آپ کو اللہ تعالیٰ نے اثر دیا ہے، تو آپ میری لڑکی کی شادی میں تعاون کی شکل یہ اختیار فرمائے کہ فلاں امیر سے ذرا سفارش کر دے، آپ کا تو کچھ بگڑے گا نہیں، اور میرا کام بن جائے گا، اب ان کا ذوق تھا توحیدی، اللہ پر نظر تھی اور مخلوق سے فارغ تھے، اور ادھر ان کے سامنے یہ تھا کہ ایک مجبور کی ضرورت بھی ہے، ذرا دیکھئے، رنگ کیسا اختیار کیا اور آدمی اگر بچنا چاہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے قلب میں چیزیں ڈالی جاتی ہے، اگر انکار کرتے ہیں تو ظاہر ہے اس کا دل ٹوٹتا ہے، اور اگر امیر سے کہتے ہیں تو ان کا جو ذوق تھا توحیدی اس پر اثر پڑتا ہے، انہوں نے ایک رقعہ لکھا اس میں لکھا، **بسم اللہ الرحمن الرحیم**، ہم نے اس شخص کی ضرورت کے باب میں اس کا قضیہ اور مسئلہ اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دیا سب سے پہلا کام دعا کر دی، اسباب کے درجہ میں اب ہم آپ سے کہتے ہیں اگر آپ نے اسے کچھ دیا تو دینے والے اللہ تعالیٰ ہے، مگر ذریعہ کے اعتبار سے ہم آپ کا بھی شکریہ ادا کرتے ہیں، اور اگر آپ نے نہیں دیا تو نہ دینے والے بھی حق تعالیٰ ہے، لہذا آپ کو ہم معذور سمجھیں گے، کیسا عمدہ مضمون ہے کہ ایمان تازہ ہو جاتا ہے۔

ہٹو یہاں سے، شرک کی باتیں مت کرو

اسی لئے حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمہ اللہ کی خدمت میں ایک شخص آئے اور آنے کے بعد کہا کہ حضرت! ایک آدمی نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ میں حج کے لئے بھیجوں گا، اور اب وہ پھر گیا ہے، کچھ دھیان نہیں دیتا، حضرت نے فرمایا دور ہٹو یہاں سے، شرک کی باتیں مت کرو۔

اس کائنات میں اسباب کے درجہ میں آدمی سبب کو اختیار کرے، مگر نظر اس پر نہیں ہونا چاہئے نظر خالق پر ہونا چاہئے

اور واقعہ یہ ہے کہ جو کچھ ہوتا ہے ادھر سے ہوتا ہے، ایک بزرگ تھے ان کو کچھ لوگ دیا کرتے تھے تو ان کو خیال آیا کہ مخلوق سے لینا یہ توحید کے خلاف ہے، تو ایک آدمی نے کچھ پیش کیا تو انہوں نے کہا ہم نہیں لیتے، اللہ تعالی کی طرف سے قلب پر الہام ہوا کہ فلاں بندہ جو آپ کو پیش کرتا ہے وہ خود دیتا ہے، یا ہم اس کے قلب میں ڈالتے ہیں، اور ادھر اس کو یہ بات بتلائی گئی منجانب اللہ اس کے قلب میں آئی کہ میں دیتا ہوں تو اپنے طور پر نہیں خدا تعالی کی توفیق سے دیتا ہوں، تو قلب میں اسکی طرف سے ایک بات پیدا کر دی جاتی ہے، ان دونوں واقعات کا حاصل یہ نکلا کہ اس کائنات میں اسباب کے درجہ میں آدمی سبب کو اختیار کرے مگر نظر اس پر نہیں ہونا چاہئے، نظر خالق پر ہونا چاہئے۔

بزرگی کا معیار تقویٰ ہے

اور جس کی نظر اس پر ہوگئی وہ پھر اس سے فارغ ہے چھٹّی ہے کہ وہ کسی سیٹھ کو راضی کرے، اور اسکی خوشامد کرے، اور منّت سماجت کرے، اور اس کو عظیم سمجھے، اور اس کو بڑا سمجھے، بس اسکے سامنے تو یہ ہے کہ نیک اور متقی ہے تو بڑا ہے''ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم ،،(سورۂ حجرات، آیت نمبر ۱۳) اور اگر نہیں ہے تو ایسے ملئیز بلئیز خدا جانے کہاں پھرتے ہیں، وہ ان کو جیب میں لیکر پھرے گا اس کو کچھ بھی تاثر نہیں ہوگا، ذرہ برابر تاثر نہیں ہوگا، اہلِ دنیا اربابِ دولت کو عظیم سمجھتی ہے ان سے ملنے پر فخر کرتے ہیں مگر آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ یہ سب بچے ہیں۔

ہر بیشہ گماں مبر کے خالیست

مطاف میں ایک بزرگ طواف کررہے تھے انہوں نے ایک شخص سے کہا کہ مجھے کچھ عطا فرمائیے تاکہ میری ضرورت پوری ہو جائے، تو انہوں نے کچھ درہم دیئے، انہوں نے ان میں سے بعض لے لئے اور کپڑا خریدا اور کچھ اور چیز استعمال کی خریدی، دینے والے کے دل میں ان کے بارے میں کچھ خیال پیدا ہوا، انہوں نے کہا ذرا آپ ادھر نظر کیجئے، اور توجہ جو ڈالی تو دیکھتے کیا ہے کہ زمین کے نیچے سونا ہی سونا ہے اور تمام زمین کے سنگریزہ جو ہے وہ جواہرات معلوم ہورہے ہیں، فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ چیز عطا فرمائی ہے مگر اس عالم میں اسے میں استعمال کرنا نہیں چاہتا، میں چاہتا ہوں کہ بقدرِ ضرورت

پر کفایت کروں، اور اکتفاء کروں، تو خدا کے بندے ایسے بھی ہوتے ہیں۔

شیخ عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ کا ایک عجیب ملفوظ

شیخ عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ کو ملکِ نیمروز پیش کیا گیا، تو فرمایا کہ ایک جَو کے برابر اگر میں اسے خریدوں تو چترِ سنجر کی طرح میرا چہرہ سیاہ ہو جائے بادشاہ بیٹھتے تھے تو ان کے پیچھے سیاہ قسم کا ایک بہت بڑا چتر ہوتا تھا کہ بادشاہ کی شان اس میں جھلکے، تو فرمایا کہ جیسے وہ سیاہ ہے میرا نصیبہ بھی ایسے ہی سیاہ ہو جائے اگر میرے قلب میں یہ ہوس پیدا ہو جائے۔ (مواعظ درد محبت ص ۹۲)

آج ہم تقوی پہ آتے ہے تو کسی سے بات کرنے کو بھی تیار نہیں ہوتے

مگر یہ چیز دھیمے دھیمے، دھیرے دھیرے پیدا ہوتی ہے، یہ نہیں کہ پہلے ہی روز سے آپ جو ہے جنید بغدادی بن جائے، یا بایزید بسطامی بن جائے، آج مصیبت یہ ہے کہ ہم تقوی پہ آتے ہے تو کسی سے بات کرنے کو بھی تیار نہیں، گردن جھکائیں گے تو اٹھانے کو تیار نہیں۔

آج کل لوگ جو آدمی جتنا مغفّل ہوتا ہے اس کو بزرگ سمجھتے ہیں

اسے کہیں گے بہت تقوی والا آدمی ہے بہت اللہ والا آدمی ہے ساری چیزوں سے فارغ ہو جائے نہ حقوق العباد کی فکر ہے نہ بندوں کے حقوق کا لحاظ

ہے، نہ اخلاق کا لحاظ ہے کچھ نہیں، ساری چیزوں سے مغفل ہو جائے تو لوگ تعریف کرتے ہیں کہ یہ بہت اللہ والا آدمی ہے، اسے کچھ پڑی نہیں ہے، اور انبیاء کرام کو ساری امت کی پڑی ہوئی ہوتی ہے، مگر آپ میٹر دیکھئے ہمارے یہاں بزرگی کا کہ اس کو کہتے ہیں بہت اللہ والا آدمی ہے، ایک پائنچا اونچا ایک نیچا اور بال جارہے ہے اس کے آسٹریلیا میں، کرتہ کا کونہ جارہا ہو مشرق میں، اور ایک آستین روانہ ہورہی ہو اس کی ساؤتھ افریقہ کی طرف، غرض یہ کہ بالکل ھلولہ جھونمبھا ہو جائے اس کو کہتے ہیں بہت پہنچا ہوا آدمی ہے، حق یہ ہے کہ یہ کوئی معیار نہیں، قرآنی معیار کو سمجھ لے تو اس کے بعد آدمی کبھی بھٹک نہیں سکتا۔

جلبانیہ کے ایک مجذوب کا واقعہ

جلبانیہ ایم، پی، میں ایک مقام ہے وہاں پر ایک مجذوب تھے چوالیس سال تک باقاعدہ ہاتھ ملتے رہے اور گشت کرتے رہے تین چار بجے کے وقت دن میں وہ ندی پر جاتے اور دوسو، تین سو کلی کرتے تھے، پاؤں میں زخم تھا مچھلیاں آ آ کر وہ زخم کھاتی یہ کھڑے رہتے تھے، اس کے بعد اگر کوئی آتا وہ وقت ہوتا تھا ان کی دعا کا کوئی آ گیا تو اس کے گلے میں ہاتھ ڈالتے تھے اور پوچھتے تھے کیا کام ہے، عجیب شان تھی، شاشتری کا جب انتقال ہوا یہ نہرو کے بعد ہندوستان کے وزیر بنے تھے تو صبح آل انڈیا ریڈیو کے بولنے سے پہلے انہوں نے بولنا شروع کیا رام بولو بھائی رام اب لوگوں کو بڑا تعجب ہوا کہ یہ مجذوب بزرگ اور ایسی حرکت، تھوڑی دیر بعد انڈیا ریڈیو بولا کہ شاشتری مر

گیا۔ (لطائفِ سورۂ یوسف) تو ان کا منشاء یہ تھا کہ شاشتری صاحب گئے جہاں ان کو جانا تھا، تو وہ اس کی خبر دے رہے تھے۔

بزرگوں کے پاس لوگ بڑے اچھے مقاصد لے کر جاتے ہیں

تو غرض یہ کہ ان کو کشف بھی بہت تھا، یہ ٹرک چلانے والے جتنے ڈرائیور ہیں یہ سٹّے کا نمبر معلوم کرنے کے لئے ان کے پاس جاتے تھے، کیوں کہ بزرگوں کے پاس لوگ بڑے اچھے اچھے مقاصد لے کر جاتے ہیں، کوئی مقدمہ کے لئے، کوئی کسی کے ساتھ لو ہو چکا ہے اس میں کامیابی کے لئے، کوئی کچھ کوئی کچھ اللہ تعالی کی رضا جوئی کے لئے، خدا تعالی کا راستہ معلوم کرنے کے لئے کم جاتے ہیں، یہ اللہ والے بھی ان کو پہچانتے ہیں، ایسا نہیں کہ بیوقوف ہوتے ہیں وہ اپنے اخلاق سے برداشت کرتے ہیں، ورنہ عموماً لوگوں کا حال یہ ہوتا ہے کہ بزرگوں کو بلاتے بھی ہے اپنے گھر تو گھر میں قدم رکھوانے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ مال میں برکت ہو جائے، سن لو کان کھول کے، اس میں گجرات کے لوگ بھی بہت مبتلا ہے، تو گھر میں قدم رکھوانے کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ مال میں برکت ہو جائے، دولت میں برکت ہو جائے، بزنس میں برکت ہو جائے، یہ نیت نہیں ہوتی کہ کسی اللہ والے کو ڈھونڈ ھکر اس سے اللہ تعالی کا راستہ معلوم کرے، نفس کے روگ معلوم کرنا اس کی طرف دھیان نہیں، بس برکت اور برکت بھی اس میں (حضرت نے یہاں ہاتھ کے اشارے سے بتا

یا) کوئی اس کو کہتا ہے اسماعیل کا کا، کوئی کہتا ہے **فمن یعمل**، کوئی کچھ، کوئی کچھ خدا جانے نئے نئے نام ظالموں نے رکھ چھوڑے ہیں، حق یہ ہے کہ ہم نے ان چیزوں کی حقیقت ہی کو نہیں سمجھا ہے، تو میں یہ ذکر کرنا چاہ رہا تھا کہ ان کے پاس جب موٹر ڈرائیور سٹّے کا نمبر معلوم کرنے کے لئے آتے تو وہ دور سے کہتے جا جا جا جا جا جا جا بھاگ یہاں سے، تو وہ جا جا کو گنتے کہ کتنی دفعہ جا جا کہا اور کہتے کہ اسی میں اشارہ کر دیا کہ جتنی مرتبہ جا جا جا کہا وہ نمبر لگا دو پانچ دفعہ جا جا کہا تو پانچ نمبر لگا دو، ایسا ہی واقعہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ کا بھی ہے۔ (ملفوظات فقیہ الامت قسط ۹ ص ۲۲، ۲۳) ان شاء اللہ نمبر لگ جائے گا، ان شاء اللہ کے ساتھ وہ بھی، یہ بزرگی کا استعمال ہے، تو وہ مجذوب تھے بالکل۔

مسلمانوں کی دینی اعمال سے غفلت پر لطیف انداز سے تنبیہ

تو میرے کہنے کا منشاء یہ ہے کہ کوئی اول فول بکتا ہو ہم ادھر ضرور توجہ کریں گے، مگر جو قرآن کریم کی بات حدیث شریف کی بات تقوی کی بات دین کی بات کرتا ہو اس طرف کچھ بھی توجہ نہیں، بھاؤنگر میں جامع مسجد میں میری تقریر تھی اور وہاں پر بدعت کا بھی ایک خاص قسم کا زور ہے، ہر قسم کے لوگ مجمع میں موجود تھے میں نے ان سے کہا کہ ذرا تصور کیجئے کہ ہماری بھاؤنگر کی جامع مسجد میں نبی کریم ﷺ تشریف لے آئیں، میں نے کہا کونسا ایسا بد نصیب ہوگا جو ان سے ملاقات اور مصافحہ کرنا نہ چاہے اور ہاتھوں کو بوسہ دینا نہ

چاہے جان نثار کرنا نہ چاہے، کوئی ہوگا ایسا؟ کہا کوئی بھی نہیں، میں نے کہا ذرا یہ دھیان کیجئے کہ ہمارا چہرہ، ہماری وضع قطع، ہمارا حال، ہمارے اعمال، ہمارے پیٹ کی غذا، ہمارا خیال، ہماری نگاہوں کی کیفیت، یہ ساری چیزوں کے پیشِ نظر کون ہے جو یہ ہمت کرے کہ حضور ﷺ کے پاس پہنچ سکے۔

ہیبتِ حق کا اثر

میں نے کہا حضور ﷺ تو بڑے ہیں، چودہ سو سال کے بعد بھی اہل اللہ اور بزرگوں کے پاس پہنچتے ہوئے لوگوں کے قدم ڈگمگاتے ہیں، حواس گم ہو جاتے ہیں، حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب رحمہ اللہ علیگڈھ تشریف لے گئے تو وہاں کے پروفیسروں نے کہا کہ معمولی بدن کا انسان ہے مگر بات کرنے کی ہمت نہیں ہوتی ہے، یہ ہیبتِ حق کا اثر ہے، یہ تقوی کا اثر ہے کہ بڑے بڑے قابل قسم کے پروفیسر سامنے آتے تھے تو لرز جاتے تھے کپکپی چھا جاتی تھی یہ تقوی کا اثر ہے، حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ کو ہم نے دیکھا، حضرت شیخ الاسلام صاحب رحمہ اللہ کو ہم نے دیکھا، حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے بارے میں سنا بڑی عجیب وغریب کیفیت اللہ تعالی نے ان کو دی تھی، تو میرے کہنے کا منشاء یہ ہے کہ یہ ہیبتِ حق ہے اور تقوی کا اثر ہے کہ اس کے بعد آدمی دم بخود ہو جاتا ہے۔

کاش! ہم تقوی کی حقیقت کو سمجھے

تو میں یہ ذکر کرنا چاہتا تھا کہ کاش! ہم اس تقوی کی حقیقت کو سمجھے اور

اس کیفیت کو ہم جانے اور نیت ٹھیک کرے، آج ہماری نیتیں دعا بھی کرائیں گے تو بس مالیات کی دعا، دعا کرائیں گے تو مقدمہ اور کیس کی دعا، یہ دعا کرانے کی توفیق نہیں ہوتی کہ بد نگاہی کی عادت ہے تو اللہ میاں اسے چھڑادے، یہ دعا کرانے کی توفیق نہیں ہوتی کہ بدزبانی کی عادت ہے اللہ میاں اسے چھڑادے، یہ دعا کرانے کی توفیق نہیں ہوتی کہ دنیا سمیٹنے کی حرص بھری پڑی ہے کھا کھا کے معدے فاسد ہو گئے مگر جو ہے وہ حرص اور ہوس نہیں جاتی تو وہ چلی جائے، اور ہم اپنی بنی نوع کے خیر خواہ بن جائے، اسکی دعا کروانے کی توفیق نہیں ہوتی، آخرت کی دعا کی توفیق نہیں ہوتی، حسنِ خاتمہ کے دعا کروانے کی توفیق نہیں ہوتی، اگر ہوتی ہے تو بس وہی مال کی دعا۔

ہمارے تقوی کا حال

اس لئے میں آپ سے پوچھتا ہوں ہم تقوی پہ اترتے ہیں تو ایسے جیسے ایک صاحب مسجد میں گئے ایک مہینہ تک نہیں نکلے، اور جب نکلے ہیں تو دوبارہ کبھی تشریف نہیں لے گئے۔ (مجالس خطیب الامت، ج ا ص ۱۱۶) یہ تقوی ہے ہم لوگوں کا۔

یہ کلابی تقوی ہے، گلابی تقوی نہیں ہے

وہ ایک وکیل صاحب تھے وہ صبح وظیفہ پڑھنے بیٹھتے تھے اور رشوت لیتے تھے وہ، تو وظیفہ کے درمیان بات نہیں کرتے تھے، کہنے لگے وظیفہ کے درمیان بات کرنا صحیح نہیں، حالانکہ وظیفہ کے درمیان بات جائز ہے، زیادہ سے زیادہ ادب کے خلاف ہوگا، اور وہ رشوت صریح حرام ہے، اس کے متعلق

اشارے سے کہتے کہ پانچ سولوں گا، تو جو حرام چیز ہے وہ تو جائز، اور جو جائز ہے وہ حرام بن گیا۔ (خطبات حکیم الامت) یہ کلابی تقوی ہے، گلابی تقوی نہیں ہے، یہ کلاب کلب سے ہے کتا، اس کا حال یہ ہے کہ پیشاب کرتا ہے تو ایک ٹانگ اٹھا دیتا ہے کہ کہیں کوئی چھینٹا نہ اڑ جائے، پاکی کا اہتمام دیکھا آپ نے کہ چھینٹے نہ اڑ جائے، اور آگے نجاست پڑی ہوئی ہے تو اسی میں منہ مار دیتا ہے، تو تقوی ادھر ایسا، اور تلوث ادھر ویسا ہے، تو یہ کلابی تقوی ہے، تو آج ہم لوگوں کا حال بھی یہی ہے، تو اللہ پاک ہمیں معاصی سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔

ایمان کو بنانے کی اور تقوی اختیار کرنے کی ضرورت ہے

تو ایمان کو بنانے کی اور تقوی اختیار کرنے کی ضرورت ہے، ہم لوگوں نے اپنی زندگی غفلت میں گذار دی ایران تران کی باتوں میں، تیری میری میں، ادھر ادھر لگی بجھائی کرنے میں، اور دنیا کی چیزوں سے انٹرسٹ اور دلچسپی لینے میں، اس میں ہمیں ٹیس اور مزہ آتا ہے، مگر ہم نے ذکر کا لطف آج تک نہیں لٹا، اور خدا تعالی کے آگے رونے کی لذت خدا کی قسم ہم نے حاصل کرنے کی کوشش نہیں کی، ہم دیکھ رہے ہیں کہ تلاوت کی حلاوت ہمیں نصیب نہیں ہے، اپنی کوتاہیوں سے شرمندہ ہونے کا احساس ہی نہیں ہے کہ ہم میں کتنے روگ ہیں اور کتنی بیماریاں ہیں، اور وہ بیماریاں کہ جسمانی بیماریاں تو موت پر ختم ہوسکتی ہے مگر یہ اندر کی بیماریاں آدمی قبر میں ساتھ لیکر جائے گا، معلوم نہیں اس عالم میں کیا حشر ہوگا، اللہ پاک مجھے آپ کو ساری امت کو معاصی اور غفلت

سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے، آخرت کا مرحلہ بہت بڑا مرحلہ ہے، تو ایمان اور تقوی یہ بنیادی چیز ہے، اور پھر اس کے بعد ان کے لئے بشارتیں ہیں دنیا اور آخرت میں جس کا تذکرہ آگے کیا جارہا ہے، تو ولایت اور بزرگی کی بنیاد ایمان اور تقوی ہے، جتنا جتنا ایمان باللہ بڑھے گا اور زندگی میں جتنا تقوی آئے گا اسی اعتبار سے انسان میں ولایت آئے گی، تو اللہ تعالی ہمیں اس پر آنے کی توفیق دے اور ہمیں فکر عطا فرمائے کہ ہم ایمان مضبوط کرے، اور تقوی عطا فرمائے دعا کیجئے اللہ تعالی توفیقِ عمل عطا فرمائے، آمین۔

مجلس نمبر ۱۹

قرآن کریم میں
اللہ تعالیٰ کی معیت کا جو
ذکر ہے اس کا حقیقی
مصداق کیا ہے اللہ تعالیٰ
ہی جانتے ہیں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سوال: قرآنِ پاک میں اللہ تعالیٰ کی معیت کا ذکر ہے مثلاً ایک جگہ فرمایا کہ وہ تمہارے ساتھ ہیں جہاں کہیں تم ہو، یا ہم شہہ رگ سے زیادہ قریب ہیں، تو اس سے علم مراد ہے، یا کچھ اور مراد ہے، اس پر ذرا روشنی ڈالے۔

صفات جو ہوتی ہیں وہ موصوف کے اعتبار سے ہوتی ہے

جواب۔ فرمایا کہ: حق یہ ہے کہ صفات جو ہوتی ہیں وہ موصوف کے اعتبار سے ہوتی ہے، مخلوق اور ممکن کی صفات مخلوق اور ممکن ہی کی شایانِ شان اور لائق ہے مثال کے طور پر گھوڑا ایک جانور ہے اس کی ایک صفت ہے قوت، مگر وہ ایک حد تک پہنچتی ہے پھر ختم ہو جاتی ہے، وہ محدود ہے، اسی طریقہ سے اس کا سننا اور دیکھنا وہ بھی محدود ہے، اسی طرح انسانوں کی صلاحیتوں کا معاملہ ہے، تو جتنی مخلوقات ہیں ان تمام کا دائرہ چونکہ محدود ہے اس لئے مخلوق کی صفات جو ہے وہ بھی محدود ہے۔ (مجالس حکیم الاسلام ج۱ص۲۶۴) مثلاً ایک عالم ہے اس کا علم اس کی صفت ہے، ایک متکلم ہے کلام اسکی صفت ہے، ایک ناظر ہے دیکھنا اسکی صفت ہے، ایک سامع ہے سننا اسکی صفت ہے، تو جیسی مخلوق اور ممکن اسی اعتبار سے اسکی صفات ہے۔

حق تعالیٰ شانہ کی ذات واجب الوجود ہے جس کی کنہ اور حقیقت پر آدمی مطلع نہیں ہوسکتا

اور حق تعالیٰ شانہ کی ذات واجب الوجود ہے جس کی کنہ اور حقیقت پر

آدمی مطلع نہیں ہوسکتا، اکبر مرحوم کا ایک شعر یاد آیا وہ فرماتے ہیں کہ ؎

دل میں تو آتا ہے سمجھ میں نہیں آتا
بس جان گیا میں تیری پہچان یہی ہے

تو قلب مجبور ہے اس کے ماننے کے لئے، مگر یہ کہ آدمی اس کا احاطہ نہیں کرسکتا کہ کیا اور کیسے ہے، تو اس کی جتنی صفات ہیں ان صفات کی حقیقت پر بھی آدمی مطلع نہیں ہوسکتا چونکہ وہ انسانی احاطہ سے بالاتر ہے۔

معیت کا حقیقی مصداق اللہ تعالی ہی جانتے ہیں

اور یہ جو فرمایا گیا قرآنِ کریم میں ’’وھو معکم اینما کانوا، (سورۂ مجادلہ آیت نمبر۷) کہ وہ تمہارے ساتھ ہے جہاں تم ہو، تو مفسرین لکھتے ہیں کہ اس سے مراد معیتِ علمیہ ہے، یہ بھی درحقیقت تفہیم کے لئے ہے، ورنہ اگر یوں کہدے کہ معیت کا حقیقی مصداق اللہ تعالی جانتے ہیں، اور اس کو متشابہات میں قرار دیا جائے تو کوئی اشتباہ اس میں نہیں ہے، اور معاملہ بہت لطیف ہے۔

درمیان میں جولئی لگی ہے وہ دوسرے کاغذ کی بنسبت بھی قریب ہے

حضرت اقدس تھانوی رحمہ اللہ نے ایک مثال دی کہ ایک کاغذ آپ لے اور اس کاغذ پر لئی لگالے، لئی بہت باریک ہوتی ہے، اس کے بعد دوسرا کاغذ اس سے چپکا دے یہ دوسرا کاغذ پہلے کاغذ سے بہت قریب ہے اسکے قرب میں کوئی کلام نہیں ہے، مگر درمیان میں جولئی لگی ہے وہ دوسرے کاغذ کی بنسبت بھی

قریب ہے، اور اتنی قریب ہے کہ وہی درحقیقت بعد میں دوسرے کاغذ کے جوڑ کا سبب بنی ہے ربط کا سبب بنی ہے مگر اپنی لطافت کی وجہ سے محسوس ہی نہیں ہوتا کہ بیچ میں وہ ہے۔

ما رايت شيئا الا رايت الله قبله

یا اس کی دوسری مثال سید احمد رفاعی رحمہ اللہ نے دی ہے کہ جب آپ دیوار کو دیکھتے ہے تو آپ نے پہلے یوار نہیں دیکھی بلکہ پہلے نور دیکھا اور نور کے تھرو اور اس کے واسطے سے دیوار کو دیکھا۔ (بنیان المشید) اور دلیل اس پر یہ ہے کہ مثلاً یہ ٹیوب لائٹ چلی جائے یا شام کے وقت سورج اپنی ساری روشنی سمیٹ کر لے جائے تو وہ جو نظر آتی تھی اب وہ نظر نہیں آتی، تو نظر بھی موجود دیوار بھی موجود اور پھر اس کے بعد رؤیت نہیں ہے، معلوم ہوا کہ بیچ میں کوئی اور چیز تھی جو سببِ رؤیت بنی ہوئی تھی وہ اپنی شدتِ لطافت کی وجہ سے ایسی ہے کہ گویا حجاب اور آڑ نہیں ہے اور جو کہتا ہے وہ یہی کہتا ہے کہ میں نے دیوار دیکھی، جو کہتا ہے وہ یہی کہتا ہے کہ میں نے پھول دیکھا، جو کہتا ہے وہ یہی کہتا ہے میں نے فلاں کو دیکھا، حالانکہ پہلے بیچ میں نور دیکھا اور اس کے بعد اسے دیکھا، یہ ہے صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی نگاہِ عمیق کہ فرماتے ہیں کہ ”ما رايت شيئا الا رايت الله قبله“، ہر شئی سے پہلے میں نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا۔ (مجالس خطیب الامت ج ۱ ص ۳۶) تو اس شئی کا موجود ہونا حضرتِ حق کی امر کی وجہ سے ہے، تو موجود سے موجِد کی طرف جانے کے بجائے، اثر سے اصل کی طرف جانے کی بجائے،

صفت سے موصوف کی طرف جانے کی بجائے پہلی نگاہ ان کی موصوف پر پڑ رہی ہے کہ پہلے اللہ تعالی کو دیکھا اس کے بعد اس شئی کو، جیسے یہاں کوئی کہدے کہ پہلے میں نے نور دیکھا پھر دیوار تو بالکل صحیح ہے، ٹھیک اسی طریقہ سے یہاں پر جو پہلا کاغذ ہے اس کاغذ کے بعد لئی ہے اور لئی کے بعد دوسرا کاغذ ہے مگر بیچ میں وہ ہے موجود اور وجہِ اتصال ہے اور سببِ جوڑ ہے، اس نے دونوں کو جوڑ رکھا ہے اور پھر بھی پتہ نہیں چلتا ہے۔

اللہ تعالی انسان سے انسان کی شہہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے

تو حق تعالی شانہ فرماتے ہیں ”و نحن اقرب الیہ من حبل الورید، ،(سورۂ ق، آیت نمبر ۱۶) کہ ہم انسان کی شہہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے، تو ظاہر بات ہے کہ شہہ رگ کا ظاہر سے تعلق ہے، خاص طور سے اس کے کٹنے پر خون نکلتا ہے اور خون کے لئے وہ مجری الدم بننے میں بہت سہل ہے کیوں کہ دماغ اور قلب کا مخصوص رابطہ ہے اور خون پر ہوائے لطیف ہوتی ہے اطباء اس کو روحِ حیوانی کہتے ہے اور ویسے بھی وہ مرکزِ روح ہے، تو اب وہ نکلتا ہے تو اس کے نکلنے کے نتیجہ میں رگِ روح کو بڑی سہولت ہوتی ہے۔

ایک نئی تحقیق

اسی لئے میں نے سنایا تھا کہ روڈیشیا میں ایک صاحب نے مجھ سے کہا کہ جدید تحقیق یہ ہے کہ اصل جو موت ہے طبعی موت اس میں جانور کو جو تکلیف

ہے اس کی بنسبت ذبح میں سہولت ہے گو بظاہر تڑپتا ہوا نظر آتا ہے۔

روح اور بدن میں جو رابطہ ہے وہ رابطہ درحقیقت حضرتِ حق کی برکت ہے

اچھا! تو اب ایک شکل یہ ہے کہ ہماری ایک تو ہے جان اور ایک ہے ہمارا بدن تو جان اور روح کی حقیقت پر ہم مطلع نہیں ہے سوائے اس کے کہ اجمالاً امرِ رب جانے، اور اس طرف ہمارا بدن ہے، اور روح اور بدن میں جو رابطہ ہے وہ رابطہ درحقیقت حضرتِ حق کی برکت ہے، اور وہ اتنا لطیف ہے کہ اس کا ادراک نہیں ہوتا مگر فرق یہ ہے کہ یہاں ہم یوں نہیں تعبیر کریں گے کہ روح اور بدن کے بیچ میں حق تعالی ہے۔

علماء تقریبِ فہم کے لئے کہہ دیتے ہیں کہ علمی معیت مراد ہے

بلکہ یہ معیت چونکہ متشابہات میں سے ہے، اس لئے تقریبِ فہم کے لئے کہہ دیتے ہیں کہ علمی معیت مراد ہے، اسکی وجہ یہ ہے کہ ہمارے یہاں کتابوں میں عقائد میں ایک بحث ہے بہت سے فرقہ جو ہیں فرقہ حلولیہ بن گئے اور حلول کا مطلب یہ ہے کہ رب العلمین انسان کے اندر ہے، وہ حقیقت یہاں نہیں ہے، تو یہ علمیہ سے جو تعبیر کی ہے ظاہر بات ہے کہ حق تعالی اپنی ذات سے تو کہیں آنہیں سکتے۔

ارض وسماں کہاں تیری وسعت کو پا سکے
میرا ہی دل ہے وہ کہ جہاں تو سما سکے

اور یہ سمانا بھی ویسا نہیں ہے وہ ایسے ہی ہے جیسے آئینہ ہے اور اس میں آپ کو سورج دِکھتا ہے تو سورج زمین سے نو کروڑ گنا بڑا ہے اور پھر آئینہ میں نظر آتا ہے تو آپ یہ بھی کہیں گے کہ وہ یہاں نہیں ہے اور یہ بھی کہیں گے کہ ہے، تو ہے اس اعتبار سے کہ عکس پڑا اس کا، اور نہیں ہے اس اعتبار سے کہ سورج کی حقیقت اس آئینہ میں آ نہیں سکتی، تو قلب محلِّ تجلی ہے حق تعالی کا اس اعتبار سے یوں کہا جاسکتا ہے کہ ''**قلب المومن عرش الرحمن**،،(شرح اسماء الحسنی ص۲۹۶) اور قلب چونکہ محلِّ تجلی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اس کی ہیئیت جانتے ہیں آپ کے حضرتِ حق کی نسبت سے تو کچھ بھی نہیں ہے، اس لئے یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ حق تعالی اپنی ذات سے اس میں نہیں ہے، یہ گویا فرق ہے کہ وہ ہے بھی، اور نہیں بھی ہے، تو اللہ رب العزت کا عکس اس میں پڑا ہے اس عکس کے پڑنے کی وجہ سے گویا تجلی گاہ بن گیا ہے کمالاتِ ربانی کا، تو معیتِ علمیہ یہ تعبیر ہے، ورنہ حق یہ ہے کہ اس معیت کا ادراک نہیں ہوسکتا، سمجھ میں آئی نہ بات، مگر اس کو تعبیر کرتے ہے معیت سے۔

قرآنِ کریم میں دو قسم کی آیات ہیں کچھ آیات متشابہات میں سے اور کچھ آیات محکم کے قبیل سے ہے

اور حق یہ ہے کہ اس میں دو مسلک ہے، ایک مسلک ہے سلفِ

متقدمین کا قرآن وحدیث میں کچھ چیزیں ایسی ہیں جن کو متشابہات سے تعبیر کرتے ہیں اور متشابہات کا مطلب یہ ہے کہ اس کے مفہوم اور معنی پر آدمی مطلع نہیں ہو سکتا، اس سلسلہ میں قرآنِ کریم میں بھی فرمایا گیا کہ کچھ آیات متشابہات میں سے اور کچھ آیات محکم کے قبیل سے ہے۔

متشابہات کے باب میں سلفِ متقدمین کا مذہب

تو اس باب میں سلفِ متقدمین کا مذہب ملا علی قاری رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ سلامتیٔ صدور کا زمانہ تھا اس لئے تفویض الی اللہ کا جو مفہوم ہے کہ ''واللہ اعلم بمرادہ ،، اس کو پسند کیا انہوں نے، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں ''الفوز الکبیر ،، میں کہ بندے کی نظر میں بھی حضرت مالک ابن انس اور سفیانِ ثوری رحمھم اللہ ان بزرگوں کا جو مسلک ہے کہ بس تفویض کر لی جائے، مثلاً عرش پر مستوی ہونے کا مسلک کہ اللہ تعالی نے عرش جو ہے پیدا فرمایا اس کے بعد وہ عرش پر مستوی ہوئے تو عرش پر مستوی ہونے کا کیا مطلب، آدمی اپنی عقل سے سوچے گا کہ آ کر بیٹھ گئے، چار زانو بیٹھ گئے، یا ٹیک لگا کر بیٹھ گئے، حالانکہ حق تعالی کے معاملات اس کی صفات اس کا تو ہم تصور بھی نہیں کر سکتے، اور اگر کائنات پہ قیاس کرتے ہے تو یہ قیاس مع الفارق ہے یعنی اصول کے خلاف ہے، اس وجہ سے وہ کہتے ہیں ''اما الاستواء معروف ، استوا اتنا تو علم ہے کہ قرآن وحدیث میں ذکر ہے ''واما الکیف فمجھول ، مگر حق تعالی کے مستوی ہونے کی کیفیت جو ہے وہ مجہول ہے۔

(ملفوظات محدث کشمیری ص ۳۵۴) **والعلم به واجب** ،،اس کا جاننا ضروری ہے کہ یہ الفاظ ہے کتاب وسنت میں ’’**والسوال عنه بدعة**، ،اور استواء کی کیفیت کو جاننے کے لئے سوال کرنا اس میں گھسنا اس میں خوض کرنا یہ چونکہ کتاب وسنت کے منشاء کے خلاف عمل ہے امرِ حادث ہے نئی چیز ہے اس لئے اس کو بدعت سے تعبیر کیا۔ (خطبات حکیم الاسلام ج ۲ ص ۵۹۰) کوئی آپ سے پوچھے کہ اللہ تعالی عرش پر مستوی ہے اس کی حقیقت کیا ہے، ظاہر بات ہے کوئی اس کی حقیقت پر مطلع نہیں ہوسکتا،تو ملاعلی قاری رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ سلامتئ صدور یعنی لوگوں کے سینہ فتنوں سے خالی تھے اور شرور کم تھا اس زمانہ میں اس کو اپنی اصلی حالت پر چھوڑ دیئے جانے کو لوگ پسند کرتے تھے، بعد میں دور آیا انکار کا بعد میں دور آیا سوالات کا دین سے بے دوری کا تو بعد کے لوگوں نے جو کچھ کچھ کچھ کچھ معانی بیان کئے ہیں وہاں پر بھی تعین مراد نہیں ہے کہ یہی منشاء ہے تقریبِ فہم کے لئے کچھ چیزیں کہدی، ورنہ آپ دیکھے مثال کے طور پر ’’**ید الله على الجماعة** ،، (ترمذی شریف، ابواب الفتن، حدیث نمبر ۲۱۶۳، جواہر الاحادیث ص ۸۵۶) اللہ تعالی کا ہاتھ جماعت پر ہے،تو وہ سلفِ متقدمین کہتے ہیں کہ اللہ تعالی کے لئے ہاتھ ہے واقعۃً ’’**بل يده مبسوطتن** ،، (سورۂ مائدہ، آیت نمبر ۶۴) مگر ہم ہاتھ کی کیفیت سے واقف نہیں ہے،بس اللہ تعالی کے لئے ہاتھ ہے، ختم ہوئی بات، کیا کیفیت ہے ہماری عقل قاصر ہے،اور بعد والے ذرا فہم سے قریب کرنے کے لئے کہتے ہیں کہ اللہ تعالی کا ہاتھ ہے یعنی نصرت مراد ہے،غلبہ مراد ہے تو بعد والوں نے

جو ہے لوگوں کے فتن کی وجہ سے یہ کہا ہے، ورنہ جو چیزیں متشابہات کے قبیل سے ہیں ان چیزوں کا تعین نہیں ہوسکتا ہے ان کو فِلس طور پر نہیں بیان کیا جا سکتا ہے اسی لئے قولِ فیصل اس باب میں یہ ہے کہ جنہوں نے اس کی کچھ وضاحتیں کی ہیں وہ وضاحتیں قطعی یقینی نہیں ہے، جیسے مثلاً ''الم،، ہے اس کا اصل مطلب تو یہ ہے کہ اللہ تعالی ہی بہتر جانتے ہیں اور کوئی نہیں، اور ایک قول پر نبی ﷺ کو بھی علم ہے۔ (ملفوظات محدث کشمیری ص ۳۹۰) اور یا یوں سمجھ لیجئے کہ اس میں انہوں نے جو کچھ کہا الف سے اللہ مراد ہے اور لام سے جبرئیل مراد ہے، اور میم سے محمد اور فلاں اور فلاں یہ سب ہے وہ جو ہے درحقیقت تعین نہیں۔ (معالم العرفان فی دروس القرآن، ج ۲ ص ۳۶، لطائف سورۃ یوسف ج ۱) اسے سمجھنے کی ضرورت ہے۔

ہمارے بزرگوں نے تعبیر میں بھی بہت احتیاط کی ہے

دوسری ایک بات کہ ہمارے بزرگوں نے تعبیر میں بھی بہت احتیاط کی تعبیر یعنی کسی شئی کو بیان کرنا، واضح کرنا، ظاہر کرنا۔

کچھ لوگوں کو تعبیر کی غلطی سے دھوکہ لگا ہے

حضرت حکیم الاسلام رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ میں راجپوتانہ میں گیا وہاں ایک پنڈت سے ملاقات ہوئی، تو میری اس سے گفتگو ہوئی میں نے اس سے پوچھا کہ تمہیں زیادہ ڈنڈوت کرنے سے کیا ملتا ہے، اس نے کہا کہ بہت زیادہ پراتھنا اور ڈنڈوت اور عبادت کرنے سے پرمیشور انسان کے اندر آجاتا ہے، یہ اس نے کہا، حضرت نے فرمایا کہ (دیکھئے تعبیر کی غلطی سے دھوکہ لگا) میرا

ذہن منتقل ہوا حدیثِ تقرب بالنوافل کی طرف، حدیث شریف میں حضور ﷺ فرماتے ہیں آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ بندہ نوافل کی کثرت سے میرا قرب حاصل کرتا ہے، نفلی طاعتوں سے ہم لوگ عام طور پر نماز ہی مراد لیتے ہیں نوافل عام ہے ہر وہ طاعت جو فرض نہیں ہے وہ نفل ہے۔ (احسن المقالات) حدیث شریف میں ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، اور اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اور اس کی زبان بن جاتا ہوں جس سے وہ بولتا ہے، اور اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے وغیرہ وغیرہ او کما قال۔ (بخاری شریف کتاب الرقاق باب التواضع، ریاض الصالحین حدیث نمبر ۹۵) تو حضرت فرماتے ہیں کہ اب لوگوں نے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تعبیر کی غلطی سے یہ لے لیا کہ پرمیشور اور بھگوان جو ہے انسان کے اندر آجاتا ہے حالانکہ کہاں ذاتِ پاک کہاں ذاتِ عالی، اور کہاں انسان خاکِ ناپاک اسکی حیثیت ہی کیا ہے۔

بندے کو اللہ جل شانہ سے قرب ہو جاتا ہے تو اس کے تمام افعال درست ہو جاتے ہیں

ایک بات اور سن لے، حدیث شریف کا مفہوم کیا ہے، حق تعالیٰ نے ایک دفعہ ذہن میں بات ڈالی اور اس سے اتنی وضاحت ہوگئی کہ کوئی اشکال ہی نہیں رہا، اس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کان ہو جاتے ہیں، حق تعالیٰ آنکھ بن جاتے ہیں اس کا کیا مطلب ہے، دیکھئے آپ کے قلب کو اللہ تعالیٰ نے حاکمانہ شان

دی ہے اور سارے اعضاء اس کے اشارے پہ چلتے ہیں، ہاتھ اپنے طور پر حرکت کرنا چاہے تو کبھی نہیں کرے گا الّا یہ کہ رعشہ کا مرض ہو وہ امرِ آخر ہے، ورنہ سارے اعضاء انسان کے قلب کے تابع ہے، تو آپ کی آنکھیں آپ کے قلب کے تابع ہے، آپ کی زبان قلب کے تابع ہے، اور سارے اعضاء اس کے تابع ہے، اب آپ دیکھئے آپ اپنے اعضاء کو اپنی مشیت اور مرضی کے مطابق استعمال کر رہے ہیں، یہ موٹی سی بات ہے، تو جب بندے کو اللہ جل شانہ سے قرب ہو جاتا ہے، نزدیکی ہو جاتی ہے اور حق تعالی اسکی زبان بن جاتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی زبان طاعات میں استعمال ہوگی معاصی میں استعمال نہیں ہوگی، اسکی آنکھیں طاعات میں استعمال ہوگی معاصی میں استعمال نہیں ہوگی، یہ شکل ہے، تو نفسِ مطمئنہ کا گویا درجہ ہے یعنی عام حالت یہی ہے، کبھی بغتۃً کوئی بات ہو جائے جیسے اولیاء سے کبائر بھی صادر ہو سکتے ہیں حتی کہ صحابہ سے بھی اس کا امکان ہے، مگر اس سے ان کی محفوظیت پر کوئی اثر نہیں پڑتا، وہ ایک مستقل بحث ہے، وہ معصوم نہیں محفوظ ہیں اولیاء معصوم نہیں محفوظ ہوتے ہیں، اور کبھی ان سے کوئی ایسی بات ہو جائے تو پھر انابت رجوع الی اللہ توبہ وغیرہ وغیرہ۔

ہندوستان کے بیشتر باشندے حلولیہ ہیں

اب آپ یہ ذہن میں رکھے کہ اس پنڈت نے یہ بات کہی کہ پرمیشور اندر آتے ہیں، ہم آپ سے پوچھتے ہیں اسکی حقیقت کیا ہے، کچھ بھی نہیں،

سوائے اس کے کہ وہ قرب کی ایک کیفیت ہے، بہت ممکن ہے کہ کسی زمانہ میں تعبیر کی غلطی سے ایک مسلک بن گیا ہو اور مسلکِ حلولیہ قائم ہو گیا، امام رازی رحمہ اللہ نے تفسیرِ کبیر میں لکھا ہے کہ ہندوستان کے بیشتر باشندے حلولیہ ہیں کہتے ہیں کہ گائے میں پچیس کروڑ دیو ہیں، ہمارے ایک ساتھی کہنے لگے کہ یہ جو گائے کا پیشاب پیتے ہیں یعنی ان الذین کفروا ان کو چاہئے کہ ہمارا پیشاب پیئے کیونکہ ہزاروں گایوں کا مدفن تو ہمارا پیٹ بنا ہوا ہے، بہرحال، کہنے کا منشاء یہ ہے کہ ان کا عقیدہ حلول کا ہے، پیلو کا درخت ہے تو اس کے اندر موجود ہے وغیرہ۔

مشرک پہلے درجہ کا احمق ہوتا ہے، اس کی ایک مثال

حتی کہ بعض عقل کے مارے ایسے پیدا ہوئے انہوں نے یہ دیکھا کہ جہاں سے انسانیت کو نفع نظر آیا وہ قابلِ عبادت ہے، چنانچہ انسان کا جو لنگ ہے عضوِ مخصوص اس کی وہ پرستش کرتے ہیں، ابھی ابھی موریسیش کے اندر ایک لنگ تیار ہوا ہے تقریباً ڈیڑھ من کا پرستش کے لئے، دھولیہ میں ہمارے گھر کے کچھ فاصلہ پر ایک دفعہ دیکھا کہ ایک کالا سا دھو آیا بالکل ننگا یعنی ذرا سا چیتھڑا بھی اس کی شرمگاہ پر نہیں، کچھ مارواڑ کی عورتیں اپنے گھر کے اندر سے نکلی ہمارا بچپن تھا، تو وہ اس کو گھر میں لے گئی اور اس کو چارپائی پر بٹھایا اور چارپائی کا طواف کیا پھر دودھ لائی اور اس کے عضوِ مخصوص پیشاب کی جگہ کو دودھ سے دھویا اور پھر سب نے دودھ پیا، اس کا فلسفہ اصل میں یہ ہے کہ انہوں نے یہ

دیکھا کہ جہاں سے نفع ہوتا ہوا نظر آئے بس وہی قابلِ پرستش ہے، اور ظاہر بات ہے کہ سارا نفع تابع ہے وجود کے، انسان جب ہی فائدہ حاصل کرتا ہے جب موجود ہے، مرگیا تو کیا فائدہ، لہذا وجود کا سبب جو چیز بنتی ہے آلہ تناسل وہ بھی قابلِ پرستش ہے۔

تمہارا یہ خواب بہت مبارک ہے

بیچ میں ایک لطیفہ سنا دے، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب (رحمہ اللہ) سے ایک شخص بیعت ہے بہت صالح آدمی ہے مجھ سے تعلق رکھتے ہیں، انہوں نے ایک خواب دیکھا کہ حضرت شیخ نے مجھ سے معانقہ فرمایا اور معانقہ فرمانے کے بعد ان کے بدن کا اور خاص طور سے عضوِ مخصوص مجھے لگا پیشاب کی جگہ، بڑا تعجب ہوا، نیند سے اٹھا تو بڑا پریشان، میں نے ان سے کہا کہ بہت مبارک خواب ہے، وہ کہنے لگے، کیا تعبیر ہے اسکی، میں نے کہا دیکھو! یہ عالمِ صور ہے صورتوں کا عالم اور نسل کے آلہ کا آپ سے مس ہونا یہ پتہ دیتا ہے کہ اس کو آپ سے التباس ہے اور ظاہر ہے کہ نسل ہو نہیں سکتی کیوں کہ نسب نہیں، لہذا نسبت کا فیض ہوگا، تو وہ بہت خوش ہوئے۔

آپ کی عملی حالت پر تنبیہ کرنا مقصود ہے

ایک صاحب میرے پاس ترکیسر آئے، اور کہا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ حضور ﷺ لنگڑے ہیں، بہت پریشان ہوں میں، میں نے کہا آپ کا خواب سن کر بات ایک دم سے ذہن میں جو آئی وہ یہ ہے کہ خواب میں آپ کو

تنبیہ کرنا مقصود ہے اور تنبیہ بھی آپ کی عملی حالت پر، کہا کیسے؟ میں نے کہا دیکھو! انسان میں دو صلاحیتیں ہیں، ایک علمی، ایک عملی، علمی صلاحیتیں تو یہ ہاتھ، دماغ، اور اوپر کا جو حصہ ہے یہ پورا حصہ علمی ہے، اور نچلا حصہ عملی ہے، اسی لئے وضو میں اوپر کا ایک حصہ دھلتا ہے، اور ایک کا مسح ہوتا ہے، اور نیچے کے دو دھلتے ہیں، تو ایک علمی اور ایک عملی، اور ہاتھ پیر یہ اعضاء عملی ہیں عمل سے زیادہ تعلق رکھتا ہے، سمجھ میں آتا ہے عملی، مثلاً کوئی مزدور آپ سے سامان لے جانے کے سلسلہ میں بات کرے، تو پہلے اسکی آنکھیں سامان کو دیکھے گی، زبان بات کرے گی، دماغ سوچے گا، ہاتھ سے چھوئے گا، اور کان سنے گا، تو یہ سارے حصے علمی کام کر رہے ہیں، بات چیت ہوگئی، اب وہ اٹھائے گا، تو ہاتھ پیر یہ عملی ہے، وہ علمی ہے، تو میں نے کہا کہ آپ کو تنبیہ کرنا مقصود ہے اور تنبیہ بھی آپ کی عملی حالت پر اور میں نے کہا حضور ﷺ آئینہ کے مشابہ ہیں اور آپ ﷺ کو لنگڑا دیکھنا ایسا ہے جیسے کوئی آئینہ کو لنگڑا دیکھے اور آئینہ کو لنگڑا دیکھنے کا مطلب یہ ہے کہ خود لنگڑا ہے اور لنگڑا ہونا یہ پیروں کی کمزوری ہے اور پیر قوتِ عملیہ کا مظہر ہے، تو ادھر اشارہ ہے کہ تمہاری عملی حالت ناقص ہے، اسکی اصلاح کی جائے، آئینہ نبوت میں عملی حالت کے نقصان کو واضح کیا گیا ہے۔

منبر کے پاس ڈنڈا رکھنے کی حکمت

کچھ پلہ پڑا آپ لوگوں کے، یا ایسے ہی میں سر دُکھا رہا ہوں، میرا دیوا جانا ہوا، تو مزاج میں ایسے ہی ذرا بذلہ سنجی ہے، وہاں بیان میں بعض لوگ جھونکے

مارنے لگے، میں نے کہا دیکھو بھائی! یہ منبر کے پاس ڈنڈا رکھا ہوا ہے، اور میں نے کہا منبر کے درمیان ڈنڈا کیوں رکھتے ہیں، اسکی حکمت آج ہم آپ کو بتادے، وہ یہ کہ منبر سے خطیب خطبہ دیتا ہے، بیان کرتا ہے، افادۂ علم کرتا ہے، تو منبر مظہرِ علم ہے، اور ویسے اور لطیفہ اس میں سن لے کہ دنیا کی منبری اپنے کو اٹھانے کے لئے ہے، اور مسجد کا منبر خطیب کو اونچا کرتا ہے، دنیا کی جو منبری ہوتی ہے اس میں آدمی خود اونچا ہونا چاہتا ہے، اور یہ منبر وہ ہے کہ جو اس پہ چڑھ جائے وہ اس کو بلندی عطا کرتا ہے، تو میں نے کہا کہ یہ منبر تو مظہر ہے علم کا کہ اس سے علم کا افادہ ہوتا ہے، علم کا فائدہ پہنچایا جاتا ہے، اور مصلی جو ہے وہ عبادت کا مظہر ہے، عبدیت کا مظہر ہے، عمل کا مظہر ہے، تو گویا مصلی مقامِ عمل ہے اور خطبہ جو دیا جاتا ہے منبر پر وہ مقامِ علم ہے اور علم وعمل میں جوڑ اسی وقت ہوگا جب تیقظ اور بیداری ہوگی، اور تیقظ اور بیداری پیدا کرنے کے لئے تنبیہ الغافلین بیچ میں کھڑا ہے، علم وعمل میں جوڑ اور رابطہ اس وقت ہوگا جب آدمی میں بیداری اور تیقظ ہو غفلت نہ ہو اور میں نے کہا غفلت کو دور کرنے والے حضرت بیچ میں کھڑے ہے ذرا ہوش حواس کے ساتھ مسجد میں رہو، خطبہ سنو تو جاگتے ہوئے اور نماز پڑھو تو تیقظ کے ساتھ، کیا بات تھی بات کہاں سے کہاں جا پہنچی، (پھر فرمایا کہ) ہاں بات خواب کے سلسلہ میں تھی کی کہ عملی حالت پر تنبیہ کرنا مقصود تھی۔

تو خیر، راجپوتانہ کے پنڈت نے یہ بات کہی، تو حضرت نے فرمایا کہ میرا

ذہن حدیث تقرب بالنوافل کی طرف گیا کہ نوافل سے اللہ تعالی کا قرب ہوتا ہے، تو کچھ لوگوں نے اس کا یہ مطلب لے لیا کہ پرمیشور اندر آتے ہیں۔

حکومت کے لئے عظمت وشوکت ضروری ہے، نہ کہ نزاکت

حضرت حکیم الاسلام رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد پھر میں نے اس سے پوچھا کہ آپ کے یہاں خدائے پاک کے عرش کا کیا تصور ہے، اس نے کہا کہ تالاب کے پھول میں کنول میں پرمیشور رہتے ہیں، تو حضرت فرماتے ہیں کہ میرا ذہن فوراً ''**وکان عرشه علی الماء**،، (سورۂ ھود آیت نمبر ۷) کی طرف گیا کہ اللہ تعالی کا عرش پانی پر ہے، ''**وکان عرشه علی الماء**،، اسی لئے شیطان متکبر ہے تو وہ شام میں سمندر پر پانی پر اپنا عرش بچھاتا ہے وہ یہ ظاہر کرنا چاہتا ہے کہ میری بھی پوزیشن ویسی ہی ہے۔ (مسلم شریف، مشکوۃ شریف ص ۱۸) معاذ اللہ، تکبر کی بنا پر، اچھا، تو گویا قصہ یہ ہے کہ ادھر ذہن منتقل ہوا، اب آپ بتائیے! حضرت فرماتے ہیں کہ عرش جس سے عظمتوں کا ظہور ہوتا ہے بڑائی کا ظہور ہوتا ہے، حضرت وہب ابن منبہ رحمہ اللہ کی روایت حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے گیارہویں پارے میں نقل کی ہے، فرمایا کہ اللہ تعالی کا عرش سرخ یاقوت کا ہے۔ (درمنثور ج ۳، ص ۲۹۷) اور اتنا بڑا اتنا بڑا کہ اس کا تصور بھی نہیں ہوسکتا، تو وہاں تو عظمتیں بتانا ہے، حضرت فرماتے ہیں کہ حکومت کے لئے عظمت، شوکت ضروری ہے، اور پھول، پنکھڑیاں تو نزاکت کی بات ہے، یہ تو لطافت کی چیز ہے، اس کا حکومت سے کیا جوڑ، تو ''**وکان عرشه علی الماء**،، اسکی

حقیقت کو نہیں سمجھے اور تعبیر کی غلطی یہ ہوئی کہ انہوں نے کنول کے پھول میں اللہ تعالی کے لئے جگہ قرار دی کہ وہ اس میں ہے کہ پھول پانی پر ہے اور اس میں ہے وہ۔

بہت سے طبقے اور فرقے تعبیرات کی غلطی سے پیدا ہوئے

تو حضرت حکیم الاسلام رحمہ اللہ نے اس پر مستقل ایک رسالہ لکھا تھا اور اس میں یہ ثابت کیا تھا کہ بہت سے طبقے اور فرقے تعبیرات کی غلطی سے پیدا ہوئے۔

تعبیر کا بہت فرق ہوتا ہے

تعبیر کی غلطی یعنی کسی حقیقت کو سمجھانے، بتانے، بولنے، اور اس کو واضح کرنے میں جو اسلوب، عنوان، اور ہیڈنگ، اور جو رنگ اختیار کیا ہے وہ صحیح نہیں ہے، اس سے گڑبڑی ہو جاتی ہے، دونوں میں بہت فرق ہو جاتا ہے اب آپ دیکھئے ایک ہی بات ہے مثلاً آدمی اپنے باپ کے لئے کہے کہ قبلہ والد بزرگوار، اس سے باپ کا بھی جی خوش ہو جائے گا، اور اگر یوں کہے یہ میرے والد ہے، ٹھیک ہے، ابا جی ہے، ٹھیک ہے، اور اگر یوں کہدے کہ اماں کے شوہر ہے بے لطفی نہیں ہوگی، کوئی کہے یہ کون ہے، تو جناب کہے کہ یہ ہماری والدہ کے ہسبنڈ ہے، تو بے لطفی ہوگی کہ نہیں، تو یہ گویا کیفیت ہے، تعبیر کا بہت فرق ہوتا ہے، اور موقع کے لحاظ سے جس طریق سے بات انہوں نے ملحوظ رکھی ہے وہ بڑی قابلِ داد ہے۔

اس امت کی علمی صلاحیت بہت بلند ہے

اصل میں اس امت کی علمی صلاحیت جو ہے وہ بہت بلند ہے۔

پچھلی امتیں متشابہات کو برداشت نہیں کر سکی

پچھلی امتوں کو بہت تھوڑی تھوڑی متشابہات ملی تھی، متشابہات کا مطلب یہ ہے کہ شریعت نے کوئی لفظ اور کوئی جملہ استعمال کیا حقیقت اس کی اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے، وہ اس کو برداشت نہیں کر سکے، چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ بہت ممکن ہے کہ پچھلی کتابوں میں محبوبیت کو بتانے کے لئے ابن کا لفظ لایا گیا ہو، یہ امکان ہے، مگر وہ عقلمند بیٹے کا مطلب یہ سمجھے جیسے ہمارے آپ کے بیٹے ہوتے ہے، نہیں سمجھ میں آیا، یعنی شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ یہ لکھتے ہیں کہ ممکن ہے، یہ نہیں کہ واقعۃً، اس کا امکان ہے کہ لفظِ ابن اس لئے استعمال کیا گیا ہو کہ محبوبیت معلوم ہو، اب وہ عقل کے مارے یہ سمجھے کہ" نحن ابناء الله واحبا ئه "، (سورۂ مائدہ آیت نمبر ۱۸) وہ واقعی اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہے اور قرآنِ کریم میں خود موجود ہے" ما اتخذ الله صاحبة ولا ولدا "، اللہ تعالیٰ کی نہ صاحبہ ہے، نہ ولد ہے، کچھ بھی نہیں، نہ بیوی، نہ بچے، کچھ بھی نہیں، تو حق یہ ہے کہ بہت سی چیزیں ایسی ہوتی ہیں کہ اسکے الفاظ تو ہمارے سامنے ہوتے ہیں حقیقت معلوم نہیں ہوتی۔

علمی معیّت مراد ہے یہ تقریبِ فہم کے لئے کہا گیا ہے

تو اللہ جل شانہ کی جو معیت ہے اس معیت کی حقیقت پر اطلاع نہیں،

اس لئے علماء اسکی وضاحت میں کہتے ہیں کہ اس سے مراد علمی معیت ہے کہ حق تعالی علم سے قریب ہے، اور یہ اس لئے کہہ رہے ہیں کہ حق تعالی اپنی ذات سے تو آ نہیں سکتے، اسکو آپ ایسا کہدے کہ مثلاً دیکھو بھائی تم فلاں جگہ شرارت کر رہے تھے ہم جانتے ہیں، یا تم جو کچھ کرتے ہو وہ سب ہمارے سامنے ہیں، مثلاً استاذ شاگرد سے کہے کہ تم جو کچھ کرتے ہو وہ سب ہمارے سامنے ہے، اس سامنے ہونے کا ایک مطلب یہ ہے کہ چھپ کر دیکھتا ہوں اس لئے میری آنکھوں کے سامنے ہے، اور ایک مطلب یہ ہے کہ اس کا علم ہے مجھے نہیں سمجھے آپ، جیسے کوئی یہ کہے کہ ایک آدمی تیسرے منزلہ سے پہلے منزلہ پر اترا، لفٹ سے اترا، سیڑھی سے اترا، رسّی سے اترا، یا کسی اور طریقہ سے اترا ایک تو یہ اترنا ہے، اور آپ کہے کہ میرے قلب پر ایک مضمون اترا تو وہ جو مضمون اترا ہے کیا سیڑھی لگا کہ اترا، نازل ہوا، بارش نازل ہوا اسکی شکل اور، آدمی اوپر سے نازل ہوا اسکی شکل اور، اور مادہ جو ہے نازل ہو جائے اپنے مقامات سے اسکی شکل اور، اور علم جو ہے نازل ہوا اسکی شکل اور، اسکو میں اس طرح سمجھاتا ہوں بچوں کو جیسے مثلاً آپ کے یہاں مہمان آئے، دستر خوان پر کھانے بیٹھے ہیں، آپ نے کہا کہ پانی لاؤ، پانی کا گلاس لا کر دیا، اسکے بعد بیت الخلاء گئے اندر سے کہا کہ پانی چاہئے، تو آپ گلاس لے جائیں گے یا لوٹا (حاضرین نے کہا لوٹا) اور غسل خانہ میں نہانے گئے، اور پانی گھٹ گیا تو وہاں لوٹا لے جائیں گے، یا بالٹی، (حاضرین نے کہا بالٹی) تو پانی لاؤ یہاں، پانی لاؤ وہاں، پانی لاؤ وہاں، ایک جگہ گلاس، ایک جگہ لوٹا، ایک جگہ بالٹی

، یہ آپنے کیوں طے کیا، دستر خوان پر بالٹی لے آتے مزہ آجاتا، اور باتھ روم میں گلاس لے جاتے لطف آجاتا، معلوم ہوا کہ پانی لاؤ کا لفظ ہر جگہ ہے مگر مواقع کا لحاظ کیا، تو حق یہ ہے کہ مخلوق کے لئے کوئی لفظ استعمال ہو ہم آپ کے ساتھ ہے اس کی معیت اور ہے، اور خدائے واحد کے لئے یہ لفظ آجائے اس کی حقیقت اور ہوگی۔

دنیا اور آخرت کی چیزوں میں صرف الفاظ ایک جیسے ہے حقیقتیں الگ الگ ہیں

اور اللہ تعالی کی ذات تو بہت بڑی ہے، جنت کی نعمتیں اور جھنم کے عذابات اسکے لئے جو الفاظ استعمال کئے گئے یہاں سے وہاں اس کا کوئی جوڑ نہیں، اب آپ دیکھئے! یہاں بھی آگ ہے اور جہنم میں بھی آگ ہے، فرق نہیں ہے؟ حدیثوں میں خود تصریح ہے یہاں کی آگ جہنم کی آگ کا سترواں حصہ ہے۔ (متفق علیہ، مشکوۃ شریف ج ۲ ص ۵۰۲) اور بعض آثار سے معلوم ہوتا ہے اس سے بھی زیادہ، تو معلوم ہوتا ہے مفہومِ عدد معتبر نہیں ہے، حافظ ابنِ کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ گولہ مشرق میں رکھدو تو مغرب میں تپش معلوم ہوگی، اعاذنا اللہ منہ، ویسے ہی جنت کی نعمتیں پھل ہے مثلاً کیلے ہیں یہاں کے کیلے کا وہاں سے کیا نسبت، تو جب نچلی چیزوں میں جو ذاتِ باری سے نیچے کی چیزیں ہیں ان میں یہ حال ہیں، تو یہاں کی اور وہاں کی چیزوں میں صرف الفاظ ایک جیسے ہے مگر ان کی حقیقتیں الگ الگ ہیں۔ (تفسیر عزیزی پارہ ۳۰ ص ۲۶)

متشابہات میں تفویض سے کام لیا جائے

تو حق تعالی کے لئے اگر کوئی لفظ کہہ دیا جائے معیت کا، اور اِس کا، اور اُس کا تو اس حقیقت پر نقصانِ علم کی وجہ سے ہمیں اطلاع نہیں ہوسکتی، تو یہ پیغمبر کا کرم ہے کہ ان مقام پہ ان کی طرف سے جو رہنمائی ہوئی وہ یہی ہوئی کہ بس تفویض سے کام لیا جائے۔

مسئلہ قدر مختصاتِ ذات میں سے ہے

اسی لئے مسئلۂ تقدیر ہے، اسکے اندر آدمی گھسے گا تو سوائے گمراہی کے کچھ بھی نہیں، قیامت میں جب سارے علوم کھلیں گے تو وہاں بھی مسئلہ قدر کا حقیقی انکشاف نہیں ہوگا، یہ مختصاتِ ذات ہے یعنی اللہ کی ذاتِ عالی کے ساتھ خاص ہے، جب وہ خاص ہے تو ایسی صورت میں جب وہ گھسے گا تو عقل سے طے کرے گا اور عقل سے طے کرنے میں گمراہی ہے، تو حضور ﷺ نے دروازہ ہی بند کر دیا، ناقہ بندی کر دی، کیونکہ پیغمبر جانتے ہیں کہ ان کا علم ہی کیا ہے، ان کی عقل ہی کیا ہے، ادھر سے ادھر چکر لگائیں گے اور گمراہی کے سوا کچھ بھی نہیں، کہاں تک جائے گی عقل۔

سائنسداں تو ابھی ستاروں کی دنیا ہی میں گم ہے

اسی لئے اتنی جو کائنات ہے اسی میں لوگ پاگل ہے، سائنسدانوں کو بڑا دعوی ہے مگر ان کو یہ ہی پتہ نہیں ہے کہ ستاروں کی تعداد کتنی ہیں، ابھی یہ اسی میں حیران ہے کہ ان میں بچپنہ آتا ہے، جوانی آتی ہے، بڑھاپا آتا ہے، یہ کیسے بنتے

ہیں فلاں سے بنتے ہیں، یہ ہوتا ہے، بعض وہ ہے کہ ہزاروں میل سے کھینچ لیتے ہیں وغیرہ ان کو تحیر ہیں۔

اوپر کے عالم میں انقلاب کا آنا یہ قیامت کی علامت ہے

ایک صاحب نے قیامت کے لئے اچھا استدلال کیا، کہنے لگے کہ کوئی سیٹی ہو اور اس پر ایک ہزار ہوائی جہاز بم بارود اور اس قسم کی چیزوں کو لے کر گردش کر رہے ہو، ان کا آپس میں ٹکر نہ کھانا اور ٹکڑا کر نہ گرنا، گرنا نہیں، بلکہ نہ گرنا یہ زیادہ تعجب کی بات ہے یا ٹکر کھا کر گرنا یہ زیادہ تعجب کی بات ہے (حاضرین نے کہا نہ گرنا) (حضرت نے بھی فرمایا) نہ گرنا یہ تعجب کی بات ہے، تو یہ ساری کائنات جہاں عقل اور سائنس بھی حیران ہے جن کو اپنے علم کا بڑا دعوی ہے یہ ایک مستحکم نظام ہے وہ تو گویا نہیں گرتا یہ تعجب کی بات ہے، اور اگر گر جائے تو کونسے تعجب کی بات ہے، اور حق تعالی یہی فرماتے ہیں ’’**اذا السماء انفطرت**، (سورۂ انفطار، آیت نمبر ۱) **اذا السماء انشقت** ،، (سورۂ انشقاق، آیت نمبر ۱) تو اوپر کا نظام جو ہے اسی نے ڈھیل دے رکھی ہے۔

حضرت شاہ عبد العزیز صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ مکان بنتا ہے تو نیچے سے اٹھایا جاتا ہے، اور مکان گراتے ہے تو کلر نکالتے ہے، پتھر ہٹاتے ہے، اور ٹیوب لائٹ نکالتے ہے اس کے بعد اٹھا پٹھک شروع ہوتی ہے تو زمین سے ابتداء ہوئی مخلوق کی، اور جب قیامت آئے گی تو کہیں آسمان کے پھٹنے کا ذکر، تو کہیں ستارے کا ذکر، تو کہیں چاند اور سورج کے بے نور ہونے کا

ذکر، معلوم ہوا کہ اوپر کے عالم میں تبدیلی ہے، اوپر کے عالم میں انقلاب ہے ، یہ قیامت کی علامت ہے۔ (تفسیر عزیزی پارہ ۳۰ ص ۱۲۲)

وہ وقت ایسا ہے کہ قاری پر بھی سکتہ واجب کر دیا

اس لئے آدمی جب مرتا ہے تو روح یہاں سے نکلنا شروع ہوتی ہے ’’حتی اذا بلغت التراقی ‘‘، (سورۂ قیامۃ، آیت نمبر ۲۶) ہنسلی تک جان پہنچتی ہے’’ و قیل من راق ‘‘، (سورۂ قیامۃ، آیت نمبر ۲۶) اس وقت کہا جاتا ہے کہ کون ہے جو جھاڑ پھونک کرے، گویا مادی علاج سے عاجز آکر روحانی علاج سے شاید فائدہ کی کوئی شکل ہو، اس لئے رقیہ کا ذکر کیا گیا، اور وہ ایسا خدشہ کا وقت ہے کہ قائل کا کوئی تعین نہیں ہے کہ کون کہہ رہا ہے، ایک آواز لگائی جائے گی، اور میں تو کہتا ہوں کہ اس وقت تو ہے ہی سکتہ، قاری پر بھی سکتہ واجب کر دیا ’’قیل من ‘‘، راق ‘‘، وظن انه الفراق ‘‘، (سورۂ قیامۃ، آیت نمبر ۲۷) وہ سمجھتا ہے کہ جانے کا وقت آگیا، اب اس میں یہ ہے کہ نیچے سے جان نکلنا شروع ہوگی۔

حضرت نانوتوی رحمہ اللہ نے بڑی بڑی حقیقتوں کو حلوا بنا دیا

حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کو اللہ تعالی جزائے خیر دے بڑی بڑی حقیقتوں کو ایسا حلوا بنا دیا، وہ فرماتے ہیں کہ اس پوری کائنات کا ایک جسم ہے، اور قیامت موت ہے، اور علاماتِ قیامت یہ زمین میں جتنی ہورہی ہے یہ تغیر شروع ہوگیا جیسے یہ نچلا حصہ ہے اس میں تغیر شروع ہوگیا اور ہوتے ہوتے ہوتے ہوتے جان اوپر تو فرماتے ہیں کہ قیامت کی جتنی علامتیں ہیں یہ نیچے

ظاہر ہورہی ہے یہ ہونا اور وہ ہونا اور فلاں اور فلاں دجال اور کثرتِ زنا اور نا اہل کی طرف معاملہ سپرد ہوگا اور امیر ظالم ہوجائیں گے اور ہوتے ہوتے اس باڈی کے اوپر کے حصہ میں جب تغیر شروع ہوگیا اور وہ تغیر کیا ہے مشرق سے نکلنے والا جو سورج ہے وہ مغرب سے نکلے۔ (مسلم شریف، کتاب التوبۃ،) معلوم ہوا کہ بڑے بدن کے اوپر کے عالم میں تغیر آ گیا، جب اوپر کے عالم میں تغیر آ گیا، تو اب مسئلہ گڑ بڑ ہے، اور یہ نزع کی وہ کیفیت ہے جس کے بعد کوئی مسئلہ ہی نہیں قبولیت کا، لہذا ایمان قبول نہیں اگر کافر ہے تو، اور توبہ قبول نہیں اگر مومن ہے تو۔ (طریق السالکین شرح ریاض الصالحین ص ۹۲) حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں ایک مرسل روایت ایسی نقل کی ہے کہ ہولِ دل اور گھبراہٹ چلے جانے کے بعد امکان ہے کہ قبول ہو، مگر مشہور یہی ہے کہ اس کے بعد قبول نہیں۔

تعبیرات میں بڑی لطافتیں ہوتی ہے

تو کہنے کا منشاء یہ ہے کہ تعبیرات جو ہوتی ہے اس میں بڑی لطافتیں ہوتی ہے، اس لئے سلامتی کی شکل یہ ہے، لہذا کہدیا کہ علمی معیت مراد ہے، باقی اسکی اصل حقیقت کیا ہے وہ اللہ تعالی ہی کو معلوم ہے، تو ہمارے آپ کے جو الفاظ ہے اسکی حیثیت اور ہوتی ہے، اور وہی لفظ حق تعالی کے لئے آجائے اسکی حیثیت اور ہوتی ہے، اب دیکھئے! ہم معیت کہدیتے ہے، معیت کا مطلب ملنا بھی ہوتا ہے، قریب ہوجانا بھی ہوتا ہے، چمٹنا بھی ہوسکتا ہے بہت سے مفاہیم ہوسکتے ہیں، اور اللہ میاں کے لئے یہ نہیں۔

معیت ہر ایک کی شایانِ شان ہوتی ہے

اس سے ایک مسئلہ اور حل ہوا، حدیث شریف میں ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں اور یتیم کا پرورش کرنے والا جنت میں ایک ساتھ ہوں گے۔ (بخاری شریف کتاب الطلاق باب اللعان، ریاض الصالحین، حدیث نمبر ۲۶۲) ہو گیا، اور بہت سے اعمال میں ایک ساتھ ہونے کا ذکر ہے، مجھے اس پر ایک اشکال ہوا کہ پھر پیغمبر کی خصوصیت کیا ہوئی نہیں سمجھ میں آیا سوال، بھائی سبھی جو ہے نبیوں کے ساتھ ہے، یتیم کی پرورش کرے، اسکی کفالت کرے وہ نبی کے ساتھ، اور سچا تاجر نبی کے ساتھ، اور بہت سے لوگوں کا ذکر ہے، تو پھر نبیوں کا درجہ اور اسکے درجہ میں کیا فرق، سوال پیدا ہوتا ہے نا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ معیت ہر ایک کی شایانِ شان ہوتی ہے، یہاں معیت سے معیتِ اتحادی مراد نہیں ہے مثلاً حضور ﷺ فردوسِ بریں میں بہت اعلی مقام پر ہوں گے، اور یتیم کی پرورش کرنے والا عام امتی وہ بھی آپ ﷺ کے ساتھ رہے، ایسا تو ہو ہی نہیں سکتا، ایک خاص قرب اس کو نصیب ہوگا، اسی لئے بعض سلف سے منقول ہیں بعض کتابوں میں دیکھا میں نے کہ حضور ﷺ کا جو ہاؤس ہے فردوس میں تو اس کا کچھ نظام ایسا ہے کہ جتنے جنتی ہیں تمام کے ساتھ اس کا ایک خاص رابطہ ہے، اور اپنے ایمان، محبت اور معرفت کی قوت کے اعتبار سے جنت میں جنتیوں کو حضور ﷺ کی زیارت ہوگی، اور یہ بھی آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ جنت میں حضرت آدم علیہ السلام کی کنیت ابو محمد ہوگی۔ (البدایہ ج ا

ص۹۲،ترجمان السنۃ ج۳ص۵۷۴) ویسے ساری ان کی اولاد ہیں، مگر باپ کے لئے شرف کی بات یہ ہے کہ سب سے بلند قسم کا جو بیٹا ہے اسکی طرف نسبت ہو، تو ابو محمد ان کی کنیت ہوگی، تو سب کو زیارت ہوگی، مگر کیفیت یہ ہوگی کہ جیسی جیسی محبت اور جیسی جیسی معرفت اسی اعتبار سے اس کو زیارت نصیب ہوگی، ظاہر بات ہے صحابہ کی جو کیفیت ہوگی وہ اور ہوگی، تو معیت کا معنی آپ یہ تو لے نہیں سکتے کہ یتیم کی پرورش کرنے والا اور اسکی کفالت کرنے والا وہ اور نبی ﷺ ایک ساتھ ہوں گے، تو ''وھو معکم اینما کنتم،، وہ تمہارے ساتھ ہے جہاں کہیں تم ہو، تو اس کے لئے بہترین شکل سلف نے یہ متعین کی ہے کہ علمی معیت مراد ہے باقی معیت کی حقیقتیں اور اسکی تفصیلات وہ علمِ الٰہی میں ہے اللہ تعالی بہتر جانتا ہے اسکی کیا شان ہے، اور ایسی جتنی بھی چیزیں ہیں، تو سلامتی اسی میں ہے کہ بس تفویض سے کام لیا جائے۔

نوٹ: اس مجلس کی ریکارڈنگ بھی مجلس نمبر۱۴ کی طرح پوری اور مکمّل نہیں مل سکی اس کا اتنا ہی حصہ مل سکا، افادۂ عام کے پیشِ نظر اس کو بھی نقل کر دیا گیا ہے۔

مجلس نمبر ۲۰

شریعتِ محمدی ﷺ کا ہر عمل اپنے اندر ایک خصوصیت رکھتا ہے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اسلام کی ایک خوبی

حدیثِ پاک میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ رمضان المبارک میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے والا بخشا بخشایا ہے، اور اللہ تعالیٰ سے مانگنے والا نامراد نہیں رہتا۔ (فضائل رمضان ص ۲۳) اس روایت سے پتہ چلا کہ اس مہینہ میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والا گویا بخشا بخشایا ہے۔

یہاں ایک بنیادی بات سمجھ لے کہ اسلام میں ایک عجیب خوبی یہ ہے کہ اس کے جتنے اعمال ہے وہ اپنے اپنے مقام پر خوبصورت نگینے کی طرح ہے اور ہر عمل اپنے اندر اتنے خصوصیات اور فضائل رکھتا ہے کہ حیرت ہوتی ہے ، آپ فضائلِ نماز دیکھے تو جی چاہے گا کہ زندگی بھر نماز ہی پڑھتے رہے، فضائلِ ذکر دیکھے تو طبیعت کا تقاضہ ہوگا کہ ذکر ہی کرتے رہے، فضائلِ تبلیغ دیکھے تو دل چاہے گا کہ ساری زندگی تبلیغ ہی کرے، فضائلِ قرآن دیکھے تو جی چاہے گا کہ بس قرآنِ کریم ہی پڑھتے رہے، غرباء مساکین کی خدمت اور فضائلِ صدقات دیکھے تو جی چاہے گا کہ اسی میں مصروف رہے، تو ہر عمل کی ایک خاص شان ہے اور اسکی خصوصیت ہے۔

اعمال کے خواص تب ظاہر ہوتے ہیں جبکہ موانع نہ ہو

البتہ اعمال کے خواص تب ظاہر ہوتے ہیں جبکہ موانع نہ ہو، اگر ایک شخص رمضان المبارک میں ذکر بھی کرتا ہے اور ساتھ ہی محرمات کا ارتکاب بھی

کرتا ہے تو نظامِ عدل کے تحت ہوسکتا ہے کہ اس کی نجات میں دیر لگے اور اقتضاءِ فضل یہ ہے کہ فوراً نجات ہو جائے، ویسے ہر آدمی کی زندگی میں دو متضاد قسم کے اعمال ہوتے ہیں اوران کے اثرات بھی اس کے سامنے ہے، تو جہاں صاحبِ شریعت کی جانب سے کسی عمل کی فضیلت بیان کی گئی ہے تو وہ اس کی خاصیت ہے، اور خاصیت کے ظہور کے لئے شرط یہ ہے کہ کوئی موانع نہ ہو جیسے مثلاً نماز ہے اخلاص سے کوئی پڑھے تو جنت ہے، مگر یتیم کا مال بھی ساتھ میں کھاتا ہے، تو ظاہر بات ہے یہ رکاوٹ ہے، اسکی مثال ایسی ہے کہ کوئی طبیب کسی مریض کو کوئی نسخہ تجویز کرے مثلاً یہ کہ تم کو بخار ہے اس نے کہا کہ یہ دوا استعمال کرو اس دوا سے تمہیں تین دن میں شفا ہو جائے گی ،مگر تمہیں کچھ چیزوں سے پرہیز بھی کرنا ہے، اب وہ آدمی اس دوا کو تو استعمال کرتا ہے مگر جن چیزوں سے طبیب نے اور حکیم نے بچنے کی تلقین کی تھی اس سے نہیں بچتا ہے تو تین روز میں مثلاً شفا ہونی چاہئے تو دس روز لگ جائیں گے، پندرہ روز لگ جائیں گے، ویسے ہی شرعی اعمال کا حال ہے۔ (مجالس حکیم الاسلام ج ۱ ص ۲۶۲، ۲۶۳) کچھ کام وہ ہے کہ اس کا تقاضہ یہ ہے کہ سیدھا جنت میں جائے بشرطیکہ رکاوٹ نہ ہو ،ویسے ان کا فضل ہو جائے تو اس سے بھی چھوٹا عمل ہو تب بھی کام بن جاتا ہے، ایک آدمی نے کانٹے دار جھاڑی راستہ سے ہٹا دی اس سے اس کی نجات ہوگئی، (مشکوۃ شریف ص ۱۶۸) زنا کار بدکار عورت کی نجات اس پر ہوگئی کہ اس نے پیاسے کتے کو پانی پلا دیا۔ (بخاری شریف، ریاض الصالحین حدیث نمبر ۱۲۶) لیکن اگر عدل کا ظہور ہو تو

پھر اس میں یہی تقریر ہے کہ پہلے اس کی عقوبت اور سزا ہوگی اور اس کے بعد پھر جنت کی شکل ہوگی ،مگر چونکہ یہ فضائل کی روایتیں ہیں اس کا منشاء صاحب شریعت کا یہی ہے کہ لوگوں کو ان اعمال کی طرف رغبت ہو، کثرت سے اس مہینہ میں دعا کی جائے اور ان امور سے بچا جائے جو ضرر کا باعث ہے۔

مبتدی کی نظر صرف آمدنی پر ہوتی ہے،اور منتہی کی نظر آمدنی اور خرچ دونوں پر ہوتی ہے

اسی لئے کتابوں میں لکھا ہے کہ ایک مبتدی ہوتا ہے اور ایک منتہی ہوتا ہے مبتدی کی نظر صرف آمدنی پر ہوتی ہے اور منتہی کی نظر آمدنی اور خرچ دونوں پر ہوتی ہے ،یعنی مبتدی یہ تو سوچتا ہے کہ یہ کرلوں ، یہ کرلوں ، یہ کمالوں مگر جن ضرروں سے بچنا ہے مثلاً کبر ہے، عجب ہے اور غیبت ہے، حسد ہے، کپٹ ہے، یہ ساری چیزیں جو ہے اس کو ضائع کرنے والی ہے ختم کرنے والی ہے،تو منتہی کی یعنی بڑے شخص کی نگاہ اس پر ہوتی ہے، عام لوگوں کی نظر صرف حاصل کر لینے پر ہے،اور شریعت کا منشاء یہ ہے کہ آدمی کی نظر دونوں چیزوں پہ ہو کہ آدمی نیکی بھی کمائے اور ان چیزوں سے بچے جو نیکی کے ضائع ہونے کا سبب ہے۔

دعا کے قبول ہونے کے لئے کچھ شرائط وارد ہوئی ہے کہ ان کے فوت ہونے سے بسا اوقات دعا رد کردی جاتی ہے

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رمضان المبارک

کی ہر رات میں ایک منادی پکارتا ہے کہ اے خیر کی تلاش کرنے والے متوجہ ہو اور آگے بڑھ، اور اے برائی کے طلب گار بس کر اور آنکھیں کھول، اسکے بعد وہ فرشتہ کہتا ہے کہ ہے کوئی مغفرت چاہنے والا کہ اس کی مغفرت کر دی جائے ،کوئی توبہ کرنے والا ہے کہ اس کی توبہ قبول کی جائے، کوئی دعا کرنے والا ہے کہ اس کی دعا قبول کی جائے، کوئی مانگنے والا ہے کہ اس کا سوال پورا کیا جائے، ان سب کے بعد یہ امر بھی ضروری اور قابلِ لحاظ ہے کہ دعا کے قبول ہونے کے لئے کچھ شرائط وارد ہوئی ہے کہ ان کے فوت ہونے سے بسا اوقات دعا رد کر دی جاتی ہے، منجملہ ان کے حرام غذا ہے اس سے بھی دعا رد کر دی جاتی ہے، نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ بہت سے پریشان حال آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتے ہیں اور یارب، یارب کرتے ہیں مگر کھانا حرام، پینا حرام، لباس حرام ایسی حالت میں کہاں دعا قبول ہوگی۔ (مسلم شریف عن ابی ھریرۃ، معارف الحدیث ج ۵ ص ۶ ۱۲، ۱۲۷) مورخین نے لکھا ہے کہ کوفہ میں مستجاب الدعا لوگوں کی ایک جماعت تھیں جن کی دعا قبول ہوتی تھیں، جب کوئی حاکم ان پر مسلط ہوتا اس کے لئے یہ بد دعا کرتے وہ ہلاک ہو جاتا، حجاج ظالم کا جب وہاں تسلط ہوا تو اس نے ایک دعوت کی جس میں ان حضرات کو خاص طور سے شریک کیا اور جب وہ کھانے سے فارغ ہو چکے تو اس نے کہا کہ میں ان لوگوں کی بد دعا سے محفوظ ہو گیا کہ حرام روزی ان کے پیٹ میں داخل ہوگئی۔ (فضائل رمضان ص ۲۳، ۲۴)

نوٹ: اس مجلس کی ریکارڈنگ بھی مجلس نمبر ۱۴، اور مجلس نمبر ۱۹ کی طرح اتنی ہی

محفوظ تھی، اس لئے اتنا ہی حصہ نقل کیا گیا ہے، اگر کسی کے پاس اس مجلس کا یا دوسری وہ مجالس جو ناقص ہے اس کی پوری ریکارڈنگ موجود ہو تو احقر تک پہنچانے کی کوشش کرے، اور اس طرح وہ بھی اس کارِ خیر میں اپنا حصہ لگالے، احقر کا گھر کا پتہ اور ٹیلی فون نمبر کتاب کے شروع میں موجود ہے۔

مجلس نمبر ۲۱

امت محمدیہ ﷺ کے ساتھ حق تعالی کا معاملہ رحم و کرم کا ھے

بسم الله الرحمن الرحیم

اے اللہ! آپ کا سو بار شکر کے آپ نے ہم کو دو دو کریموں کے درمیان رکھا ہے

فرمایا کہ: موت اور موت کے مابعد کے مرحلے اور منزلیں بہت اہم ہیں، اور دشوار گذار گھاٹی ہے جس کی زندگی پاکیزہ گذری اس کے مراحل مابعدِ موت کے آسان، اور جس کی زندگی غلط گذری اس کے لئے بڑی مشکلات ہیں اس سلسلہ میں حق تعالیٰ شانہ نے اس امت کے لئے بڑی سہولت کا معاملہ فرمایا ہے، اور وجہ اس کی یہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہ ارحم الراحمین ہے اور نبی اس امت کو ملا تو نبی کی ذات رحمۃ للعالمین ہے، نواب ڈھاکہ نے ایک مہر بنوائی تھی اس مہر پہ فارسی کا یہ شعر لکھا تھا کہ ؎

یا رب تو کریم و رسولِ تو کریم
صد شکر کہ ہستیم میانِ دو کریم

اے اللہ! آپ بھی رحیم و کریم ہے اور آپ نے جو رسول ﷺ ہماری طرف بھیجا وہ بھی کریم ہے، تو آپ کا سو سو بار شکر یہ کہ آپ نے ہم کو دو دو کریموں کے درمیان رکھا ہے، تو اس امت کے ساتھ حق تعالیٰ کا بہت کرم کا معاملہ ہے اور بڑی سہولت کی شکلیں ہیں، مگر شرط یہ ہے کہ آدمی حق تعالیٰ کی ان نعمتوں سے فائدہ بھی اٹھائے۔

حق تعالیٰ کی طرف سے جو رحمت ہے وہ عام ہیں لیکن ابلیس نے اپنے کو محروم کیا ہوا ہے

سہل بن عبداللہ تستری رحمہ اللہ کا گزر ہو رہا تھا، کتاب الیواقیت میں کسی جگہ اس بات کو چھیڑا ہے علامہ عبدالوہاب شعرانی رحمہ اللہ نے کہ وہ نماز کے لئے جارہے تھے ابلیس انہیں ملا اور اس نے کچھ سوالات کئے، ان کا حاصل یہ تھا کہ یہ جواب کے چکر میں پڑ کر جماعت کی نماز سے محروم ہو جائے، جوابات دیئے، تین سوالات تھے، اس میں اخیر میں اس نے یہ کہا کہ حق تعالیٰ کی رحمت ہر چیز پر وسیع ہے، حق تعالیٰ کا فرمان ہے" ورحمتی وسعت کل شئی "(سورۂ اعراف آیت نمبر ۱۵۶) ہر چیز پر خدا تعالیٰ کی رحمت محیط ہے اور اسے گھیرے ہوئے ہیں، اور ظاہر بات ہے کہ میں شئی اور چیز ہوں، لہٰذا خدا تعالیٰ کی رحمت مجھے بھی گھیرے ہوئے ہونا چاہئے، پھر میں حق تعالیٰ کی رحمت سے مایوس کیسے، مجھ پر بھی حق تعالیٰ کی رحمت ہونی چاہئے، اور یہ کہکر وہ چلا گیا، علامہ عبدالوھاب شعرانی رحمہ اللہ نے اس کو جواب دیا کہ تم حق تعالیٰ کی رحمت میں داخل نہیں ہو، وہ مخصوص ہے، تو اس نے کہا کہ یہ عام ہے اس کو خاص کیسے کیا گیا، یہ کہکر وہ چل دیا۔ (ملفوظات فقیہ الامت، قسط ۵ ص ۱۰، ۱۱) اس کو یوں سمجھو کہ ایک بہت بڑا عالم ہو بہت بڑا محل ہو وہ اپنی ذات سے بہت زیادہ کشادہ اور وسیع ہو، مگر اس کی وسعتوں سے فائدہ وہی اٹھا سکے گا جو شخص اس میں داخل ہونا چاہے، ورنہ یہاں سے لے کر آسٹریلیا تک کوئی بڑا ہال بنا دیا جائے مگر اس

وسعت اور کشادگی کے باوجود کوئی اس میں داخل ہونا ہی نہ چاہے اس سے فائدہ اٹھانا نہ چاہے تو اسکی وسعت بھی ثابت ہے، اور اس کی محرومی بھی ثابت ہے، تو حق تعالی کی طرف سے جو رحمت ہے وہ عام ہیں، لیکن ابلیس نے اپنے کو اس سے محروم کیا یہ اسکی محرومی کی بات ہے۔ (ملفوظات فقیہ الامت، قسط ۵ ص ۱۱)

ایک درجہ کی رحمت حق تعالی کی اہلِ جہنم کے حق میں بھی ہے

اور ایک درجہ کی رحمت تو بقول حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ اور عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہ یہ دونوں بزرگ فرماتے ہیں کہ ایک رحمت حق تعالی کی اہلِ جہنم کے حق میں بھی ہے، اور دلیل ایسی ارشاد فرمائی کہ انکار نہیں کیا جا سکتا، فرمایا کہ جہنمیوں کو جتنا شدید عذاب حق تعالی دیں گے اس سے لاکھوں گنا زیادہ عذاب دینے پر حق تعالی قادر ہیں، اسی مقام پر رک جانا یہ دلیل ہے اس بات کی کہ ان کے حق میں بھی یہ رحمت کا ایک اثر ہے، ورنہ حق تعالی اس سے کروڑوں گنا زیادہ عذاب دے سکتے ہیں۔

عذاب کی حقیقت

اسی لئے قرآنِ کریم میں فرمایا گیا کہ اس روز جو ہے انسان اپنی ساری کوششیں اور سعی پر غور کرے گا اور پھر آگے فرمایا کہ یہ سوچنا اس کے لئے نافع نہیں ہے، اور قرآنِ کریم ایک جگہ کہتا ہے کہ "**فیومئذ لا یعذب عذابه احد، ولا یوثق وثاقه احد**" (سورۂ فجر، آیت نمبر ۲۵، ۲۶) حق تعالی کے عذاب کی طرح کوئی عذاب نہیں دے گا، اور حق تعالی کے بندھن کی طرح کوئی باندھے گا

نہیں، عذاب کی حقیقت یہ ہے کہ انسان کو تکلیفوں میں مبتلا کیا جائے اور راحت اس کی کھینچ لی جائے، تو ایک صورت عذاب کی یہ ہے کہ مثلاً گُرگ سے مارنا شروع کیا، ایک صورت یہ ہے کہ آگ سے جلانا شروع کیا، ایک صورت یہ ہے کہ کسی طریقہ سے تنگ کرنا شروع کیا، یہ ساری عذاب کی صورتیں اور شکلیں ہیں، اور ایک صورت یہ ہے کہ ان ذرائع سے جتنی تکلیف ہوتی ہے اس سے زیادہ تکلیف حق تعالیٰ قلب پر ڈال دے، تو فرمایا کہ " **فیومئذ لا یعذب عذابہ احد** "، تو لاکھوں ملائکہ جو جہنم کے ہیں ان میں بڑے وارنٹیرانیس ہیں اور بڑی ان کی خدمات وتفصیلات ہے کتابوں میں، تو وہ جو عذابات ہیں حق تعالیٰ ان تمام ذرائع سے کٹ کر قلب پر اتنی تکلیف ڈالدے اس پر قادر ہیں، اور اللہ تعالیٰ کے بندھن کے برابر کوئی بندھن نہیں کہ فرشتے عذاب کی شکل میں جکڑیں گے اور باندھیں گے انہیں، تو ان کی باندھ اور ان کی جکڑ اور پکڑ جو ہے ان تمام میں یہ تو ہوسکتا ہے کہ ان کے ہاتھوں کی حرکت باقی نہ رہے مگر یہ کہ خیال متحرک رہ سکتا ہے حق تعالیٰ اس پر قادر ہیں کہ ان کے خیال کو بھی باندھ دیں کہ وہ ادھر سے ادھر نہ جاسکے اور شدتِ تکلیف ہو۔

اس امت کے ساتھ حق تعالیٰ کا معاملہ رحم وکرم کا ہے

تو بہر حال، اس امت کے ساتھ حق تعالیٰ کا معاملہ رحم وکرم کا ہے اسی لئے بڑی آسانی کی شکل ہے، تو ذاتِ خداوندی تو ارحم الراحمین ہے، اور نبی کریم ﷺ رحمۃ للعالمین ہیں، اور رحم چونکہ غضب پر سبقت کئے ہوئے ہے اس لئے

آپ ﷺ کے دو وزیر آسمانوں میں ہیں جبریل ومیکائیل، اور فرمایا کہ میرے دو وزیر زمین میں ہیں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما ان میں بھی سب سے پہلے وزیر اور خلیفہ جو ہے وہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں ان کی صفت بیان کی گئی کہ ''ارحم امتی بامتی ابوبکر ''، (احمد، ترمذی، خطبات الاحکام ص ۱۱۵، ۱۱۶) تو حق تعالی ارحم الراحمین ہیں، (سورۂ فاتحہ، آیت نمبر ۲) نبی کریم ﷺ رحمۃ للعالمین ہیں (سورۂ انبیاء، آیت نمبر ۱۰۷) اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ''ارحم امتی ''۔

موت کے معاملات بڑے عجیب وغریب ہیں

تو حق تعالی کے معاملات بڑے عجیب وغریب ہیں، اور موت کے معاملات تو اس سے بھی زیادہ عجیب وغریب ہیں، مگر صحیح زندگی گذرے گی تو وہ رحمتیں جس کا ذکر ہو رہا ہے آدمی حاصل کر سکے گا، اور اگر ایسی شکل نہیں ہے تو ان سے محرومی ہو جائے گی۔

خوابوں سے بھی بہت سی چیزوں کا پتہ چلتا ہے

اسی لئے علماء نے اس پر بھی مستقل مضمون لکھا ہے کہ جو لوگ دنیا سے جا چکے ہیں اور ان کو لوگوں نے خوابات میں دیکھا اس سے بھی بہت سی چیزوں کا پتہ چلتا ہے تا کہ وہاں کے حالات کو سمجھ سکے کسی حد تک، اصل تو کتاب و سنت میں اس کو بیان کیا اور اس سے بھی اس کی تائید ہو جاتی ہے اور اس سے عبرت ہوتی ہے آدمی کو۔

عمر کی لُٹیا ڈوب جاتی اگر حق تعالیٰ کا فضل شریکِ حال نہ ہوتا

چنانچہ کتابوں میں لکھا ہے کہ آخرت کے حالات اتنے اہم ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو کسی نے خواب میں دیکھا کہ پیشانی سے پسینہ پونچھ رہے ہیں، پوچھا کہ کیسے گذری، تو فرمایا کہ عمر کا محاسبہ ہو رہا تھا اور عمر کی جو ہے لُٹیا ڈوب جاتی اگر حق تعالیٰ کا فضل شریکِ حال نہ ہوتا تو میرا تو بیڑا ہی غرق ہو جاتا، اب آپ اندازہ لگائیے اتنے بڑے شخص کا یہ حال ہے، علامہ شعرانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خواب میں دیکھا اسی باب میں کہ اگر عمر پر حق تعالیٰ کا فضل نہ ہوتا تو عمر کی کوئی حیثیت نہ تھی اس کا جنازہ زمین میں دھنس جاتا اور فنا ہو جاتا، یہ تو اس کا کرم تھا کہ جس نے مجھے اپنی آغوشِ رحمت میں لے لیا اور میرا بیڑا پار ہو گیا، اب آپ اندازہ لگائیے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے شخص ہے، تو وہاں کہ معاملات بہت نازک ہیں۔

زبان ہلاکت کا باعث بھی ہے اور موجب نجات بھی بن سکتی ہے

حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کو ایک شخص نے خواب میں دیکھا تو پوچھا کہ حضرت کیسے گذری؟ آپ اپنی زبان پکڑ کر یہ فرمایا کرتے تھے دنیا میں کہ اس زبان نے مجھے ہلاکتوں میں ڈالا۔ (کتاب الزھد، ص۱۱۲) تو خواب میں دیکھنے والے نے پوچھا کہ حضرت! آپ دنیا میں یہ فرمایا کرتے تھے تو کیسے گذری، تو فرمایا کہ اس زبان سے کلمہ توحید پڑھتا تھا اس کی برکت سے حق تعالیٰ نے مغفرت

فرما دی، تو معلوم ہوا کہ زبان ہلاکت کا باعث بھی ہے اور اگر وہی توحید میں اور ذکر میں مشغول ہو جائے تو موجب نجات بھی بن سکتی ہے (متفق علیہ)۔

حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ابن مبارک تو بڑے مبارک حال میں ہے

حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ کو کسی نے خواب میں دیکھا کہ وہ ایک درخت سے دوسرے درخت پر پرواز کر رہے ہیں اڑ رہے ہیں، تو پوچھا کہ آپ کا کیا حال ہے، فرمایا کہ اللہ تعالی کا بہت کرم ہے، تو خواب دیکھنے والے نے پوچھا کہ حضرت ابن مبارک رحمہ اللہ کا کیا حال ہے، فرمایا کہ وہ تو ایسے مبارک حال میں ہے کہ انہیں روزانہ دو دفعہ حق تعالی کا دیدار نصیب ہوتا ہے اوران کی زیارت سے متمتع اور منتفع ہوتے ہیں۔ (ثمرات الاوراق ص ۹۸)

بدنظری بڑا خطرناک گناہ ہے

اسی لئے لکھا ہے کہ آخرت کے احوال عجیب ہے، حضرت عبداللہ بن بزار رحمہ اللہ ایک بزرگ گذرے ہیں ان کو ایک شخص نے خواب میں دیکھا، پوچھا کیسے گذری، فرمایا پوچھو مت، معاملہ عجیب وغریب رہا، بہت تکلیف میں ہوں، میں نے کہا تکلیف کیا ہے، فرمایا کہ حق تعالی نے مجھے اپنے سامنے کھڑا کیا اور کھڑا کرنے کے بعد یہ کہا کہ اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے جاؤ اور یہ کہتے جاؤ کہ میں نے فلاں گناہ کیا تسلیم کرتے جاؤ میں معاف کرتا جاؤں گا، انہوں نے عرض کیا کہ مولی میں نے فلاں گناہ کیا، حق تعالی کی طرف سے فرمایا

گیا کہ معاف، انہوں نے کہا میں نے فلاں گناہ کیا، حق تعالیٰ کی طرف سے فرمایا گیا کہ معاف، اس کے بعد ایک گناہ پر آکر رک گئے کہ زبان ہی نہیں کھلتی ہے، تو پوچھا کہ وہ کونسا گناہ، انہوں نے کہا کہ بدنگاہی کی عادت تھی بری نظر سے میں دیکھتا تھا تو حق تعالیٰ کے سامنے زبان ہی نہیں کھلتی تھی کہ میں یہ کہوں کہ آپ کے غیر کو میں نے شہوت کی نگاہ سے اور بری نگاہ سے دیکھا ہے تو اس قدر شرمندگی اور پسینہ اور یہ کیفیت ہے کہ چہرے کا گوشت رخصت ہو چکا ہے اور سخت اذیت میں ہوں زبان نہیں کھلتی کہ خدا تعالیٰ سے یہ کہوں کہ آپ کے غیر کو دیکھا، ہم اندازہ لگائیں آج کے اس ماحول میں کہ ہم مسجد سے نکلتے ہیں اور دیکھا کہ کوئی لڑکی گذر رہی ہے تو اسے دیکھنا شروع کر دیا میں نے دیکھا کہ اچھے اچھے لوگ ہاتھ میں تسبیح لے کر پڑھتے جا رہے ہیں ذکر و شغل بھی جاری ہے اور اس کے ساتھ مشاہدہ بھی ہو رہا ہے بلکہ بعض لوگ تو کہتے ہیں کہ یہ خدا تعالیٰ کی قدرت کا نظارہ ہے، یہ کفریہ قسم کے جملہ ہیں، اس لئے کہ ایک تو چوری اور اوپر سے سینہ زوری کی بات ہے، لہذا اس واقعہ سے عبرت حاصل کرنے کی ضرورت ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وہاں کے معاملات بڑے عجیب ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے مجھے فکر وغم کے نتیجہ میں طویل راحت عطا فرمائی ہے

اسی لئے ایک بزرگ تھے بہت غمگین رہتے تھے، انتقال کے بعد ان سے پوچھا کہ وہ آپ کا فکر وغم اور حزن اس کا نتیجہ کیا ہوا، فرمایا کہ اس غم اور فکر

کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے مجھے طویل راحت عطا فرمائی ہے، دنیا سے آنے کے بعد ہم نے اس عالم میں آکر دیکھا کہ انبیاء اور صحابہ کے بعد جو ربانی علماء ہیں ان کا درجہ سب سے بلند ہیں ااور اس کے بعد ان لوگوں کا درجہ ہے جن پر آخرت کا غم اور آخرت کا فکر سوار رہے۔

فکرِ آخرت دنیا سے رخصت ہوگئی

اسی لئے حسن بصری رحمہ اللہ بہت بڑے تابعی ہیں ان کے متعلق ہے کہ جس روز ان کا انتقال ہوا اس زمانہ کے اکابر نے یہ بات کہی کہ فکرِ آخرت دنیا سے رخصت ہوگئی۔ (صفۃ الصفوۃ ج۳ص۱۵۶) اتنی کیفیت تھی ان پر فکرِ آخرت کی حتی کہ ایک شخص نے خواب میں دیکھا ان کے انتقال کے بعد، تو خواب میں کوئی کہنے والا کہہ رہا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے ان کے زمانہ میں منتخب فرمایا، اس کے بعد اور نبیوں کو اپنے زمانہ میں منتخب کیا، اور پھر ہوتے ہوتے اس نے یہ کہا کہ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کو حق تعالیٰ نے اپنے زمانہ کے لوگوں میں منتخب فرمایا ہے جس سے ان کے مقام کا پتہ چلتا ہے، تو بڑے درجہ کے شخص تھے اور اللہ تعالیٰ نے نوازش بھی ان پر اس شان کے ساتھ فرمائی عجیب وغریب۔

ایک جملہ مغفرت کا سبب بن گیا

حضرت مالک ابن انس رضی اللہ عنہ کے حالات میں کتابوں میں لکھا ہے کہ انتقال کے بعد کسی نے خواب میں دیکھا، پوچھا کیسے گذری، فرمایا اللہ تعالیٰ نے

مغفرت فرمادی، سائل نے پوچھا کہ مغفرت کس وجہ سے ہوئی، فرمایا بس وہ ایک جملہ جس کو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ جنازہ دیکھ کر پڑھا کرتے تھے میں بھی پڑھتا تھا حق تعالی نے مغفرت فرمادی، تو اس نے پوچھا آخر وہ کونسا جملہ تھا، تو فرمایا وہ جملہ ''سبحان الملک الحی الذی لا یموت''، تو جنازہ دیکھ کر وہ پڑھتے تھے پاک ہے وہ ذات جس کے لئے موت نہیں ہے، اللہ تعالی کو یہ جملہ پسند آ گیا اور نجات ہوگئی اور کام بن گیا، واقعہ یہ ہے کہ وہاں کے حالات عجیب ہے۔

پیر کی شب ہوتی ہے تو کچھ عافیت ہو جاتی ہے

ابولہب جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شدید مخالفت کی اور سورۂ تبت یدا اس کے باب میں نازل ہوئی، تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ہے، اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی بات بھی عجیب لکھی ہے کہ وہ ایسے تھے کہ جب زور سے پکارتے تھے تو آواز ایک میل جایا کرتی تھی۔ (مجالس حکیم الاسلام ج ۱ ص ۱۲۰) اور شیر کے قریب اگر چیخ دے تو پتّہ پانی ہو جائے وہ مر جائے ایسی آواز تھی، اور بدن بھی ماشاء اللہ اونچا اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ہے، اور عجیب بات یہ ہے ان کی ذکاوت میں لکھا ہے کہ ان سے کسی نے پوچھا کہ آپ بڑے ہیں یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم؟ فرمایا بڑے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں البتہ میں ان سے پہلے پیدا ہوا، عمر میری زیادہ ہے، باقی بڑے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ (باادب بانصیب ص ۴۰ بحوالہ کشف الغمہ للشعرانی) تو سمجھ کی بات تھی، جیسے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے ہجرت کے موقعہ پر کسی نے

پوچھا کہ ''من ھذا،، آپ کے ساتھ یہ کون آدمی ہے، ہجرت کا موقعہ تھا خطرات تھے فرمایا'' رجل یھدینی ،، یہ ایک آدمی ہے جو مجھے راہ بتلاتے ہیں۔ (بخاری شریف ج۱ص۵۵۶) تو وہ یہ سمجھا کہ یہ ظاہری راستہ بتلانے کا کام کرتے ہیں اوران کا منشاء یہ تھا کہ آخرت کی راہ بتاتے ہیں خدا تعالی کا راستہ طے کرواتے ہے، تو خیر یہ ضمنی بات تھی، گفتگواس پر تھی کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ابو لہب کوخواب میں دیکھا کہ آگ میں بدن دہک رہا ہے اوراس کی بری حالت ہے، اس کو دیکھ کرانہوں نے پوچھا تمہارا کیا حال ہے، کہا بہت برا حال ہے اور بہت سخت تکلیف میں مبتلا ہوں مگر ہر پیر کی صبح کے وقت مجھے کچھ عافیت ہو جاتی ہے، عذاب میں کچھ ہلکا پن ہو جاتا ہے، پوچھا کہ اسکی کیا وجہ، تو کہا کہ وہ بھتیجے جو ہے محمدان کی پیدائش کی خبر جب میں نے سنی تو اس خوشی میں میں نے ایک باندی کو آزاد کیا تھا اس کا گویا یہ اثر دیکھ رہا ہوں۔ (کشف الباری، کتاب النکاح، ص ۱۹۳،۱۹۴، خطبات ادریس ص ۳۰۵) تو حضور ﷺ کی محبوبیت ہے۔

حضور ﷺ کی محبوبیت کا صلہ مغفرت کی صورت میں

جیسے ایک شخص کا انتقال ہوا ،انتقال کے بعد کسی نے خواب میں دیکھا پوچھا کیسے گذری؟ کہا میں تو گنہگار تھا مگر حق تعالی نے نجات فرمادی، کہا نجات کیسے ہوئی، کہا ایک کتاب کا مطالعہ کرر ہا تھا اس میں ایک مضمون نظر سے گذرا اور اس میں تذکرہ تھا نبی کریم ﷺ کا تو پڑھتے پڑھتے ایسی کیفیت ہوئی کہ میں نے اسے سینہ سے لگا لیا اور آنکھوں سے لگا لیا، اللہ تعالی کو یہ ادا پسند

آ گئی اور میری مغفرت ہوگئی، تو رحمتِ حق بہانہ می جوید، رحمتِ حق بہانہ ڈھو نڈھتی ہے شرط یہ ہے کہ آدمی اپنی حالت کو اور اور اپنی طلب کو ظاہر کرے۔

دنیا کا تعلق اکڑنے والے قلوب سے ہے اور تقوی کا قیام ٹوٹے ہوئے قلوب کے ساتھ ہے

اسی لئے حجۃ الاسلام امام غزالی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ ایک شخص کو کسی نے خواب میں دیکھا کہ نہایت حسین وجمیل ہے، پوچھا تم کون ہو، کہا میں تقوی ہوں، یعنی اس کی صورتِ مثالی کہ یہاں دنیا میں تقوی ایک عمل ہے اس کی صورت وہاں پر وہ ہے، پوچھا تمہارا قیام کہاں، کہا میرا قیام تو ان مقامات پر ہے جہاں ٹوٹے ہوئے قلوب ہوتے ہیں کہ دل ٹوٹا ہوا اس مقام پر، اور اسکے بعد ایک کالی عورت کو دیکھا بدشکل، بالکل کریہہ المنظر اس سے پوچھا کہ تو کون ہے، اس نے کہا کہ میں تو دنیا ہوں، پوچھا تیرا قیام کہاں رہتا ہے، فرمایا میں اس دل میں رہتی ہوں جو خوشی کے ساتھ اکڑتا رہتا ہے اور غفلت برتتا ہے وہ میری قیام گاہ ہے، تو دنیا کا تعلق اکڑنے والے خوش رہنے والے قلوب سے ہے، اور تقوی کا قیام ان قلوب کے ساتھ ہے جو ٹوٹے ہوئے ہیں کہ اللہ تعالی کی عظمتیں ان کے سامنے ہے۔

دنیا کے برتن ٹوٹ جائے تو اپنی وقعت کھو جاتے ہیں مگر دل اگر ٹوٹا ہوا ہو تو اس سے زیادہ قیمتی کوئی چیز نہیں ہے

جیسا کہ میں نے دو تین دن پہلے بھی ذکر کیا تھا کہ دنیا کے برتن اور شیشے ٹوٹ

جائے تو اپنی وقعت کھو جاتے ہیں، مگر دل اگر ٹوٹا ہوا ہو تو اس سے زیادہ قیمتی کوئی چیز نہیں ہے اللہ تعالی کو وہ پسند ہے، (مجالس خطیب الامت ج ا ص ۱۲۵) اسی لئے حدیث شریف میں فرمایا نبی کریم ﷺ نے کہ ''السلطان ظل اللہ فی الارض،، (ابن ماجہ، خطبات الاحکام ص ۱۱۶) بادشاہ زمین میں اللہ تعالی کا سایہ ہے، تو سلطانِ وقت کو تو اللہ تعالی کا سایہ کہا اور اس طرف فرمایا کہ ''انا عند المنکسرۃ قلوبھم،، (اتحاف ج ۶ ص ۲۹۰، جواہر الاحادیث ص ۴۷۵، احیاء العلوم) میں ان کے پاس ہوں جن کے قلوب کی انکسار کی کیفیت ہے، تو منکسرین اور ٹوٹے قلوب کے پاس ہوں، اس سے آپ اندازہ لگائیے کہ حق تعالی کا بندوں پر کتنا کرم ہے۔

جو مریض کی عیادت کے لئے جائے وہ رحمتِ الٰہی کے اندر غرق ہے

تو جو خود مریض ہے اسپر حق تعالی کی کتنی رحمتیں ہوگی

دیکھئے عبرت کی ایک چیز سنائے، ایک مشہور حدیث ہے کہ قیامت کے میدان میں حق تعالی ایک آدمی کو بلائیں گے اور کہیں گے اے ابن آدم! میں بھوکا تھا تجھ سے کھانا طلب کیا تو نے کھانا نہیں دیا، وہ کہے گا رب العلمین! آپ تو رب العلمین ہے آپ کیسے بھوکے ہو سکتے ہیں، فرمائیں گے میرا فلاں بندہ بھوکا تھا اس کو اگر تم کھلاتے تو اس کا ثواب یہاں پاتے، پھر فرمایا کہ ارشاد فرمائیں گے میں پیاسا تھا تجھ سے پانی طلب کیا تو نے پانی نہیں پلایا، تو وہ کہے گا آپ رب العلمین ہے آپ کو کیسے پیاس لگ سکتی ہے؟ تو فرمائیں

گے میرا فلاں بندہ پیاسا تھا اس کو اگر تم پلاتے تو اس کا ثواب یہاں پاتے، پھر فرمائیں گے اے ابن آدم! میں بیمار ہوا تم نے میری عیادت نہیں کی، تو وہ بندہ کہے گا آپ رب العلمین ہے آپ کو بیماری کا کیا سوال ہے، اس وقت حق تعالی فرمائیں گے میرا فلاں بندہ بیمار ہوا اگر تم اس کی عیادت کرتے اور اسکی خبر لیتے خیریت معلوم کرتے، تو اس صورت میں تم مجھے وہاں پاتے۔

(باب عیادۃ المریض کتاب البر والصلۃ والادب، مشکوۃ کتاب الجنائز باب عیادۃ المریض)

اب آپ اندازہ لگائیے یہ الفاظ ہے حدیث شریف کے کہ اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ بھوکے کو کھانا کھلایا ہوتا تو اس کا ثواب یہاں پاتے، پیاسے کو پانی پلایا ہوتا تو اس صورت کے اندر اس کا ثواب یہاں پاتے، اور فرما رہے ہیں کہ کوئی بیمار تھا اس کی عیادت کی ہوتی مجھے وہاں پر پاتے، دونوں میں کتنا فرق ہے، کہ وہاں تو اس کا ثواب یہاں پاتے، اور یہاں مجھے وہاں پر پاتے، اس کی وجہ یہ ہے کہ بیماری میں آدمی کا دل ٹوٹا ہوا ہوتا ہے، اب آپ اندازہ لگائیے کہ حدیث شریف میں فرمایا نبی کریم ﷺ نے کہ بیمار کی عیادت کرنے اور خبر لینے جو چلتا ہے خیریت معلوم کرنے خبر لینا اصل میں اردو محاورہ میں استعمال ہوتا ہے دوسرے معنی میں، اور گجراتی میں دوسرے معنی میں استعمال ہوتا ہے، لیکن میں آپ کی رعایت سے اس کو ذکر کر رہا ہوں، تو غرض یہ کہ حدیث شریف میں فرمایا گیا آدمی جب عیادت کے لئے چلتا ہے تو اس صورت کے اندر وہ رحمت کی طرف چل رہا ہے۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۲۵۵) اور جب میت کے پاس پہنچتا ہے تو رحمت میں غرق ہو جاتا ہے، اب آپ اندازہ لگائیے جو اس کی خیریت معلوم

کرنے جارہے ہیں عیادت کے لئے وہ جب رحمت کے اندر غرق ہے تو جو خود مریض ہے اس کے اوپر حق تعالیٰ کی کتنی رحمتیں ہوگی۔

بخار کی حالت میں گناہ دھل جاتے ہیں

اسی لئے حدیث شریف میں فرمایا گیا کہ جس طرح پت جھڑ کے موسم میں درخت سے پتے گرتے ہیں بخار کی حالت میں اسی طریقہ سے گناہ دھل جاتے ہیں، معاف ہوجاتے ہیں۔

(بخاری شریف، کتاب المرض، باب شدت المرض، ریاض الصالحین، حدیث نمبر ۳۸)

رات میں تہجد کی چند رکعتیں پڑھتے تھے وہ ہمارے حق میں بہت مفید ثابت ہوئی

تو خیر یہ ضمنی بات تھی، میں یہ ذکر کرنا چاہ رہا تھا کہ حق تعالیٰ کا معاملہ انسانوں کے ساتھ عجیب وغریب ہے، حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ کو کسی نے خواب میں دیکھا، پوچھا کیسے گذری، فرمایا کہ وہ ہماری ساری حکمت کی دانائی کی باتیں جو سلوک کے سلسلہ میں تھیں رخصت ہوگئ، پھر فرمایا کہ ہم جو رات میں تہجد کی چند رکعتیں پڑھتے تھے وہ ہمارے حق میں بہت مفید ثابت ہوئی۔

(احیاء العلوم ج ۴ ص ۶۰۷)

ہماری نیت حق تعالیٰ کے یہاں قبول ہوگئ اور اسی پر مغفرت ہوگئ

زبیدہ کو کسی نے خواب میں دیکھا جس کے نام سے نہر ہے نہرِ زبیدہ

جواس نے بنوائی تھی ، پوچھا کیسے گذری، کہا الحمدللہ، مغفرت ہوگئی، پوچھا کہ آخر کیا کام آیا تم نے نہر بنوائی تھی وہ، کہا وہ تو خیر لوگ لے جاچکے البتہ ہماری جو نیت تھی وہ حق تعالی کے یہاں قبول ہوگئی ،اسی پر حق تعالی نے نجات کا فیصلہ فرمادیا،تو پکڑ کی شکلیں بھی عجیب عجیب ہوتی ہیں،اور مغفرت کی بھی۔

حضرت ثابت بنانی رحمہ اللہ کا قبر میں نماز پڑھنا

تو صالحین کے اور فاسقین کے دونوں کے عجیب عجیب حالات ہیں، ثابت بنانی رحمہ اللہ ایک بزرگ گذرے ہیں ان کے متعلق لکھا ہے کہ ان کو جب دفنایا گیا تو تدفین کے موقعہ پر ایک اینٹ سرک گئی تو برابر کرتے ہوئے کسی نے نیچے جھانک کر دیکھا،تو دیکھا کہ قبر تو بالکل کشادہ ہوگئی ہے اور وہ کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے ہیں، بڑا تعجب ہوا کہ قبر میں نماز پڑھ رہے ہیں ابھی ہم نے دفنایا ہے اور ہم اپنی آنکھوں سے یہ منظر دیکھ رہے ہیں کہ وہ نماز میں مشغول ہے، گھر جانے کے بعد ان کے گھر والوں سے تحقیق کی ان کے گھر میں پتہ چلایا تو معلوم ہوا کہ انہوں نے تیس سال سے عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھی ہے اور وہ ہر روز صبح کے وقت یہ دعا فرماتے تھے کہ اے رب العلمین !اگر قبر میں کسی کو نماز کی اجازت مل جائے تو ہمیں وہ اجازت عطا فرما دیجئے ۔ (فضائل قرآن ص ۳۷، حکایات صحابہ ص ۴۳ ،صالحین کے آنسو ص ۱۴۴) اللہ تعالی نے ان کی یہ دعا سن لی۔

دو بزرگ، ایک تمنا

حضرت مولانا فضل رحمٰن صاحب گنج مرادآبادی رحمہ اللہ فرماتے تھے

قیامت میں اللہ تعالیٰ پوچھیں گے فضل رحمٰن کیا چاہتے ہو، تو میں کہوں گا رب العلمین! نہ حور چاہیے نہ قصور چاہیے، مجھے تو عرش کے نیچے مصلی کے بقدر جگہ مل جائے تو اس پہ نماز پڑھتا رہوں، یہ میری خواہش ہے۔ (منتخب تقاریر ص ۶۹)

ایسا ہی واقعہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمہ اللہ کا بھی ہیں۔ (مجالس حکیم الاسلام ج ۲ ص ۱۴۶)

جنت میں رفیع قسم کے جذبات ہوں گے

اور یہ بھی یاد رہے کہ جنت میں رفیع قسم کے جذبات ہوں گے، اور جنتیوں کا ذوق انتہائی بلند ہوگا اور عالیشان ہوگا، اور انسانی کمالات کی تکمیل اس عالم میں ہوگی، مثلاً کوئی جنتی تصور کرے گا کہ مجھے امرود مل جائے، کیلا مل جائے، زیتون مل جائے، انجیر مل جائے، آم مل جائے، تو تصور کے ساتھ وہ چیز موجود ہوگی، جنتی جنت میں بیٹھا ہوگا باغیچہ میں اس کا جی چاہے گا کہ پانی کے ساتھ کچھ کھیل کرے تو اشارہ کرے گا تو نہر اس کے اشارے پہ گمے گی پھر اُدھر اشارہ کرے گا تو وہ ادھر بہنا شروع ہوگی، تو حق تعالیٰ کے حکم سے عجیب عجیب خوارق وہاں ظاہر ہوں گے، لذت کی شکلیں، فرحت کی شکلیں، اور تفریحات کے سامان، وہاں پرواز بھی ہوگی آدمی گھوڑے پہ دوڑے گا اور دوڑتے دوڑتے اڑنا چاہے تو اڑان بھی شروع ہو جائے گی، تو غرض یہ ضمنی بات ہے۔

خوابات کے ذریعہ بھی حق تعالیٰ کی طرف سے تنبیہ مقصود ہوتی ہے

میں یہ ذکر کرنا چاہ رہا تھا کہ یہ تھوڑا بہت جو خاکہ سامنے آتا ہے اس میں بھی حق تعالیٰ کی طرف سے تنبیہ ہوتی ہے، اچھوں کے اچھے حالات تا کہ عبرت ہو جائے اور آدمی نیکی کی طرف چل پڑے، بروں کے برے حالات ہیں، اس صورت میں انسان جو ہے اس کی کوشش کرے کہ اس سے بچے، اس میں عبرت کا سامان ہے، ورنہ ایسا بھی ہوا ہے کہ انتقال کے بعد دیکھے گئے، ان سے پوچھا گیا کہ کیسے گذری، تو کہا گیا کہ سخت عذاب میں ہے، اور اس کی وجہ پوچھی گئی تو کہا کہ زبان سے لوگوں کو ایذا پہنچاتے تھے وہی مصیبت بن گئی اور عذاب بنا ہوا ہے، کسی نے یتیم کا مال کھا لیا تو عذاب، کوئی غیبتوں کا شکار تھا تو عذاب، تو عجیب عجیب صورتیں اور شکلیں پیش آتی ہیں، تو حق تعالیٰ ہی اپنے فضل سے حفاظت فرمائے۔

ہتھنی کے بچوں کا گوشت مت کھانا

شیخ محی الدین ابن عربی رحمہ اللہ کا ایک واقعہ سناؤں، ان کے متعلق لکھا ہے کہ ان کے کچھ ماننے والے سفر کرنے کے قصد سے نکلے ہیں تو انہوں نے ان سے ملاقات کی، اور شیخ سے کہا کہ حضرت! کچھ نصیحت فرمائیے، انہوں نے کہا کہ دیکھو ہتھنی کے بچوں کا گوشت مت کھانا، خیر، وہ رخصت ہوئے اور

ان کو خیال ہوا کہ شیخ نے عجیب وغریب نصیحت فرمائی، سفر میں تھے تو صورت یہ ہوئی کہ راستہ سے بھٹک گئے اور صورت یہ ہوئی کہ پریشان حال اور توشہ بھی ختم ہوگیا کوئی شکل زندگی کی باقی نہیں، کوئی سہارا بھی نہیں، مایوس ہوکر ایک درخت کے نیچے لیٹے ابھی لیٹے ہی تھے کہ ہاتھی کہ چھوٹے چھوٹے بچے اور اس کے چھوٹے چھوٹے بچے بھی پاڑے سے کم نہیں ہوتے، ہم نے افریقہ کے جنگلوں میں دیکھا ہاتھی کو یہ محسوس ہوتا ہے کہ زد پڑی تو ادھر بھی ہاتھی ادھر بھی ہاتھی وہ فوراً بچوں کو بیچ میں لے لیتے ہیں، حالانکہ چھوٹے بچے بھی پاڑے سے کم نہیں ہوتے ماشاء اللہ، مگر یہ کہ اولاد سب کو پیاری ہوتی ہے، اب ہوا یہ کہ وہ لیٹے اتنے میں ہاتھیوں کے چھوٹے چھوٹے بچے آئے وہ لوگ بھوک سے بیتاب تھے بعضوں نے ان کو پکڑا، خیر، انہوں نے ایک کو پکڑ کر ذبح کیا اور کاٹنے کے بعد کھانے کا قصد کیا، تو بعضوں نے یاد دلایا کہ شیخ نے منع کیا تھا کہ ہتھنی کے بچوں کو مت کھانا، تو ان کو کچھ یاد نہیں رہا بھوک سے حالت خراب تھی کھا لیا اور درخت کے نیچے لیٹ گئے، تو ان میں وہ بھی لیٹے تھے جنہوں نے گوشت نہیں کھایا تھا اور وہ بھی لیٹے تھے جنہوں نے گوشت کھایا تھا، تھوڑی دیر گزر جانے کے بعد ہوا یہ کہ وہ بچوں کی ماں ان کو تلاش کرتے ہوئے آئی گویا، اور اس نے دیکھا کہ درخت کے نیچے کچھ اجنبی لوگ لیٹے ہیں، ہونہ ہو انہوں نے میرے بچے کو ضائع کیا ہے، تو آکر ان کا منہ سونگھنا شروع کیا جنہوں نے نہیں کھایا تھا تو گوشت کی بو نہیں تھی، اور ہاتھی کی قوتِ شامہ کافی ہوتی ہے تو منہ سونگھنا شروع

کیا جنہوں نے گوشت نہیں کھایا تھا ان کو تو چھوڑ دیا، اور جن کے منہ سے گوشت کی بو آرہی تھی وہ سمجھی کہ میرے بچے کو کھانے والے یہی ہے تو ان کو چیر کر ان کے دو ٹکڑے کر دیئے ہلاک کر دیا اور جن کے منہ سے گوشت کی بو نہیں آرہی تھی ہتھنی نے ان کو اپنی پیٹھ پر سوار کرایا اور آبادی تک پہنچا دیا۔

(تسہیل المواعظ ج ا ص ۶۷۳، ۶۷۴)

جنہوں نے اپنے بھائیوں کا گوشت کھایا تھا غیبت کر کے تو ان کے ساتھ قبر میں ملائکۃ القھار کا معاملہ بڑا سختی کا ہوگا اور عذاب شروع ہو جائے گا

اس کو لکھ کر کتابوں میں لکھا ہے کہ یہاں سونگھ کر اس نے محسوس کیا تو قرآنِ کریم میں فرمایا کہ "**ایحب احدکم ان یاکل لحم اخیه میتا فکرھتموہ**" (سورۂ حجرات آیت نمبر ۱۲) کیا تم اس کو پسند کرتے ہو کہ اپنے مردار بھائی کا گوشت کھاؤ، ظاہر ہے تم اسے ناپسند سمجھتے ہو تو غیبت کرنا ایسا ہے جیسے مردار بھائی کا گوشت کھانا ہے، تو لکھا ہے کہ جب انسان دنیا سے قبر میں پہنچے گا تو حق تعالی کے فرشتے بھی منہ سونگھیں گے اور ظاہر بات ہے کہ فرشتوں کا احساس تو ہاتھی کے احساس سے بہت زیادہ ہوتا ہے، تو جنہوں نے اپنے بھائیوں کا گوشت کھایا تھا غیبت کر کے تو ان کے ساتھ ملائکۃ القھار کا معاملہ بڑا سختی کا ہوگا اور عذاب شروع ہو جائے گا، اور جنہوں نے احتیاطیں کی ہیں تو حق تعالی حفاظت کی شکل پیدا فرمائیں گے۔

آج ہماری مجلسوں کا شغل ہی غیبت بن چکا ہے

تو آج ہماری مجلسوں کا شغل یہی بن چکا ہے کہ رات دن ہم غیبت اور تحقیر اور طعن و تشنیع ان چیزوں میں لگے ہوئے ہیں، بلکہ میں تو کہا کرتا ہوں کہ ہماری مجلسیں وبال ہی ہیں جبتک کہ ذکر و شغل ہو، یا علم کی باتیں ہوں، اس لئے کہ عام طور پر جب لوگ جمع ہوتے ہیں تو جمع ہونے کے بعد ایران توران کی شروع ہو جاتی ہیں کوئی علم تو ہوتا نہیں کہ علمی گفتگو ہو، فکر اتنی نہیں ہے آخرت کی کہ اس کا تذکرہ ہو، تو تیرے میرے تذکرے ہوتے ہیں، حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ غیبت سے بچنے کی بہترین تدبیر یہ ہے کہ بلاضرورت غیروں کا تذکرہ نہ ہو۔ (خطبات منورج اص ۵۲۶) اس لئے کہ نیکی کے بعد غیبت کرنا ایسا ہے کہ کسی نے بارود جمع کیا ہو اور اس کے بعد بٹن دبا دیا تو وہ فٹافٹ اس سے نکلنا شروع ہو جائے گی، یا روئی کا ایک ڈھیر لگایا یہ تو نیکی کی اس نے اور ماچس لگادی یہ غیبت کی شکل ہے۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں اگر کسی کی غیبت کرتا تو اپنی والدہ کی غیبت کرتا

اسی لئے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں اگر کسی کی غیبت کرتا تو اپنی والدہ کی غیبت کرتا اس لئے کہ اگر گھی گرے گا تو کھچڑی (چاول) ہی میں نیکی منتقل ہوگی تو والدہ ہی کی طرف۔

ایک مرتبہ عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ نے سفیان ثوری رحمہ اللہ سے کہا امام ابو حنیفہ غیبت سے کس قدر دور رہتے ہیں میں نے انہیں کبھی دشمن کی غیبت کرتے ہوئے بھی نہیں سنا، سفیان ثوری رحمہ اللہ فرمانے لگے وہ عقلمند ہیں، یہ نہیں چاہتے کہ اپنی نیکیوں پر ایسی چیز کو مسلط کریں جو انہیں ضائع کر دے۔

(الخیرات الحسان فی مناقب الامام ابی حنیفۃ النعمان ص ۹۱،۹۲)

آپ نے ہمارے ساتھ سلوک کیا تو ہم نے تمہارے ساتھ

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کو علم ہوا کہ ایک آدمی نے ان کی غیبت کی، تو حضرت نے اس کے پاس کھجوروں کا تحفہ بھیجا اور معذرت کی اور کہا کہ تم نے ہمارے ساتھ زیادہ سلوک کیا کہ نیکیاں منتقل کر دی ہماری طرف اور ہم تمہارے ساتھ معمولی سلوک کر رہے ہیں۔ (اللہ سے شرم کیجئے ص ۶۷ بحوالہ احیاء علوم الدین)

یہ ہیں آخرت کے مفلس

اسی لئے حدیث شریف میں ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے صحابہ سے پوچھا جانتے ہو مفلس کون ہیں؟ تو صحابہ نے کہا کہ ’’مـن لا درهـم ولا دیـنـار‘‘، جس کے پاس کچھ نہ ہو نہ درہم نہ دینار، فرمایا نہیں، مفلس وہ ہے کہ قیامت میں بہت سے اعمال لے کر آئے گا نماز بھی، روزے بھی، زکوۃ بھی، صدقات بھی، نیک کام بھی، مگر کسی کا طعن کیا ہوگا، کسی کی چغلی کی ہوگی، کسی کی غیبت کی ہوگی، کسی کا مال دبایا ہوگا، وہ سب اس سے آکر اپنا حق وصول کریں گے جب وہ سارا حق دیدیا جائے گا وہاں تو پیسے نہیں ہوں گے نیکیاں دی جائے

گی جب حق پورا ادا نہیں ہو سکے گا تو ان کے گناہ اس کے سر پر لاد دیئے جائیں گے۔ (مسلم شریف، مشکوۃ شریف باب الظلم) یہ صحیح معنی میں مفلس ہے، اللہ تعالی حفاظت فرمائے۔

خیر کا ذکر شروع ہوتا ہے اور شر پہ بات ختم ہوتی ہے

اور عام طور پر ہوتا یہی ہے کہ خیر کا ذکر شروع ہوتا ہے شر پہ بات ختم ہوتی ہے کہ فلاں فلاں فلاں خوبی مگر یہ، پَن یہ، اور اس کے پَن کے بعد پِن لگا تو مسئلہ گڑبڑ ہو جاتا ہے، تو سلامتی کی شکل یہ ہے کہ کسی اجنبی کا تذکرہ نہ کیا جائے۔

غیبت پر پابندی کرنے کا فائدہ

ایک واقعہ سنا کر بات ختم کرتا ہوں، بمبئ میں ایک صاحب حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب کی خدمت میں آئے اور انہوں نے کہا کہ حضرت! اخلاقیات کے بارے میں کچھ سمجھائیے، حضرت نے فرمایا کہ میں بڑی گہری گہری باتیں کرتا تو وہ بھی پریشان میرا بھی وقت ضائع ہوتا، میں نے کہا کہ بس غیبت پہ کنٹرول کرو اور اس سے بچو، تو وہ شخص کہتا ہے کہ میں نے جب غیبت پہ پابندی کی ہے تب مجھے پتہ چلا کہ میں کتنا گنہگار ہوں اور اپنے تقوی کا بھانڈا میری آنکھوں کے سامنے کھلا ہے، میں بارہا لوگوں کی غیبتیں کرتا اور بارہا لوگوں کی غیبتیں سنتا تھا تو وہ کہتے ہیں کہ میں نے زبان پر کنٹرول کیا تو تکلیف تو بہت ہوئی مگر مجھے تقریباً ایک مہینہ ذکر و شغل میں وہ فائدہ ہوا غیبت سے بچنے

کے نتیجہ میں جو کئی سالوں سے ذکر و شغل کے نتیجہ میں نہیں ہوا تھا اس لئے کہ ذکر کرتے سب ضائع ہو جاتا تھا۔

زنا بہت بڑا گناہ ہے، مگر سن لو کہ جب تم نے یہ کہا کہ گناہ ہو گیا تو میرا خیال اس طرف گیا کہ غیبت ہو گئی ہو گی

حضرت بایزید بسطامی رحمہ اللہ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوئے فرمایا کہ حضرت! بہت پریشان ہوں گناہ ہو گیا، حضرت نے فرمایا کونسا گناہ ہو گیا، کہا کہ زنا ہو گیا، کہا زنا بہت بڑا گناہ ہے مگر سن لو کہ جب تم نے یہ کہا کہ گناہ ہو گیا تو میرا خیال اس طرف گیا کہ غیبت ہو گئی ہو گی۔

(غیبت کیا ہے؟، خطبات منور ص ۵۲۵)

غیبت کی وجہ سے قلب کا نور رخصت ہو جاتا ہے

اب آپ اندازہ لگایئے کہ ہم لوگ تو صبح سے شام تک اس کا دھندا ہی لے کر بیٹھے ہوئے ہیں، اللہ پاک اپنے فضل سے میری آپ کی بلکہ ساری امت کی حفاظت فرمائے، ورنہ اس کی وجہ سے ہوتا یہ ہے کہ نور رخصت ہو جاتا ہے، اللہ پاک زبان پہ کنٹرول دے، نگاہوں پہ کنٹرول دے۔

یہاں کے ماحول میں نگاہوں پہ کنٹرول بہت دشوار ہے

یہ جو میں نے خوابات بیان کئے وہ صرف ایسے ہی وقت گذاری کے لئے بیان نہیں کئے، آپ دیکھتے ہیں یہاں کا ماحول کیسا ہے نگاہوں پہ کنٹرول

دشوار ہے مسجد سے باہر جائے تو بالکل ننگی دنیا ہے، ظاہر بات ہے یہ لوگ یہاں کے رہنے والے وہ تو بہر حال نامرد قسم کے ہو جاتے ہیں مگر یہ ایشین لوگ تھوڑی نامرد ہوتے ہیں مرچی کھانے والے، تو ان کے لئے آنکھ پر کنٹرول بڑی بات ہے، اس لئے ہمارے لئے دشواری کا مسئلہ ہے، تو نظر کو جھکائے اللہ تعالی قلب میں سرور و فرحت اور حلاوتِ ایمانی نصیب فرمائیں گے، تو حاصل یہ نکلا کہ آخرت میں یہاں کے حالات جو ہے ایک خاص شکل میں ظاہر ہوتے ہیں کبھی حق تعالی اپنی شانِ رحیمی سے خواب کے ذریعہ بھی تنبیہ فرما دیتے ہیں، خطرے کا خواب ہو تو اس سے بچ جائے، اور خوشی کا خواب ہو تو اس سے ادھر رغبت ہو جائے، تو اللہ تعالی کی شانِ کریمی ہے، اللہ پاک ہم سب کو نگاہوں کی حفاظت اور بدنظری سے بچنے کی توفیق نصیب فرمائے، اور ایسے اعمال کی توفیق دے کہ اس کی وجہ سے قبر کا گھڑا اور آگے کی منزلیں آسان ہو جائے، دعا کیجئے اللہ پاک توفیقِ عمل عطا فرمائے، آمین۔

مئولف کی دیگر اہم تالیفات

(۱) منتخب تقاریر، جلد اول۔ (مطبوعہ)

(۲) مجالسِ خطیب الامت، جلد اول (مطبوعہ)

(۳) لطائفِ سورۂ یوسف۔ (دو جلدیں) (غیر مطبوعہ)

(۴) ملفوظاتِ خطیب الامت۔ (دو جلدیں) (غیر مطبوعہ)

(۵) منتخب تقاریر، جلد دوم۔ (غیر مطبوعہ)

(۶) فیضانِ عبدالرؤف، جلد دوم۔ (غیر مطبوعہ)

(۷) حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ کے پسندیدہ واقعات۔ (غیر مطبوعہ)

(۸) قیمتی باتیں۔ (دو جلدیں) (غیر مطبوعہ)

(۹) بچوں کے لئے مسائل واحکام۔ (غیر مطبوعہ)

(۱۰) ندائے قرآن از عبادِ رحمٰن۔ (دو جلدیں) (غیر مطبوعہ)